اسلم

تاریخ الامت

تاریخ الامت

از

مولانا محمد حافظ اسلم

حسین بن غنّام کی تصنیف ہے جو خود شیخ محمد بن عبدالوہاب کے شاگردوں میں تھے اس کا صرف پہلا حصہ قلمی ایک دوست کے یہاں سے ملا جس میں زیادہ تر شیخ کی [illegible]

برائے نام ہیں۔

(۲) عنوان المجد فی تاریخ النجد۔ یہ کتاب بھی دو حصوں میں ہے اور علامہ عثمان بن عبد بن بشر نجدی کی تصنیف ہے جو قبیلۂ زید کے رؤسا، اور الوشم کے مقام شقر کے باشندوں میں سے تھے اس کی صرف پہلی جلد ۱۳۲۸ھ میں بغداد میں چھپی ہے۔

تاریخ نجد کے متعلق یہ کتاب سب سے اہم ہے۔ مصنف نے حالات فراہم کرنے میں جستجو سے کام لیا ہے اور ان کو تحقیق و دیانت داری کے ساتھ لکھا ہے لیکن تاہم بہت سے اہم واقعات مثلاً الریاض کی فتح وغیرہ چھوٹ گئے ہیں اور بعض جگہ جزئی باتوں میں بہت طوالت ہوگئی ہے۔ علاوہ بریں متقدمین کی روش پر سن وار واقعات درج کئے ہیں جسکی وجہ سے تسلسل باقی نہیں رہا اور کم سے کم مجھکو کہ مختصر اور مربوط تاریخ لکھنے کا عادی ہوں ترتیب میں دقت پیش آئی۔

(۳) تاریخ نجد۔ مصنفہ علامہ سید محمود شکری آلوسی زادہ بغدادی جو علوم اسلامیہ و ادبیہ میں گذشتہ صدی کے علامہ عراق تھے۔ اس کو محمد بہجت اثری نے ۱۳۴۳ھ کے آخر میں مصر سے چھپوا کر شائع کیا ہے۔

اگرچہ یہ کتاب علامہ موصوف کا ایک ناتمام مسودہ ہے تاہم اس میں بہت مفید معلومات ہیں

(۴) ملوک العرب۔ یہ کتاب استاد امین ریحانی نصرانی کی تصنیف ہے جو موجودہ عہد میں عربی کا ایک بلند پایہ ادیب مانا جاتا ہے اور جسکی کتاب "ریحانیات" نے اس کا نام تمام اقطار عربیہ اور مصر وغیرہ میں روشن کر دیا ہے۔ اس نے عربی امراء اور شیوخ سے ملاقات

کے لئے بلاد عربیہ کا سفر کیا اور ہر ایک کے حالات مع اپنی سیاحت کے واقعات کے ادیبانہ لطافت کے ساتھ لکھے۔ اس کی دوسری جلد جو بیروت سے ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی ہے مجھکو مل سکی۔ اسی میں نجد اور امیر نجد کے حالات ہیں۔

حسن اتفاق سے تالیف کے دوران میں ایک تازہ وارد نجدی عنزہ کے باشندے دہلی میں مل گئے۔ گو صاحب علم نہ ہونے کی وجہ سے ان سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہ ہوا لیکن تاہم بعض امور کی مزید تشریح و توثیق میں مدد ملی۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اب اہل مصر کو نجدیوں کی طرف خاص توجہ ہوگئی ہے اور وہاں کے علماء ان کی تاریخ کی جستجو میں ہیں۔ خود نجد کے بھی چند اہل علم اس کام کو کر رہے ہیں اس لئے انشاء اللہ زیادہ زمانہ نہ گذرنے پائیگا کہ اس موضوع پر ایک معتدبہ ذخیرہ تیار ہو جائے گا۔ لیکن اس وقت اس مختصر سے زیادہ لکھنا میرے لئے مشکل تھا۔ امید ہے کہ چند سال کے بعد اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی قائم رکھی اور توفیق عطا فرمائی تو ان کتب کے آجانے پر پھر یہ کتاب مزید تفصیل کے ساتھ لکھ سکونگا۔ ھو المعین و بہ نستعین۔

نجد

عربی زبان میں زمین کے بلند حصہ کو نجد کہتے ہیں اور لسپت کو غور یا تہامہ۔ اسی وجہ سے سرزمین عرب کا وہ حصہ جس کے شمال میں ملک شام۔ مشرق میں عراق عرب و احسار۔ جنوب میں احقاف و یمامہ اور مغرب میں حجاز واقع ہے نجد کے نام سے موسوم ہے۔ یہ حصہ آب و ہوا کی خوبی۔ سرسبزی و پیداوار کے لحاظ سے بہ نسبت عرب کے دیگر حصوں کے بہتر ہے۔ چنانچہ زمانۂ قدیم سے شعرار عرب اس کے وصف میں رطب اللسان چلے آتے ہیں۔

پانی صاف و شیریں اور میوے نہایت لذیذ ہوتے ہیں بالخصوص وہاں کی کھجوریں جیسی خوش ذائقہ ہوتی ہیں اور کہیں کی نہیں ہوتیں۔ مختلف قسم کے غلوں کے علاوہ عود بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور ایک خوشبودار گھاس عرار کثرت سے اگتی ہے جس کو عربی شاعری میں وہی جگہ ملی ہے جو عجمی شاعری میں سنبل نے پائی ہے۔

صحراؤں اور بیابانوں میں جابجا چراگاہیں اور سرسبز قطعات ہیں جنکو روضہ کہتے ہیں اور پہاڑوں کے دامنوں اور وادیوں میں باغوں اور نخلستانوں کی کثرت ہے۔ شکار کے لئے وحشی جانور خاصکر ہرن بہت ہیں اور نیستانوں میں شیر بھی ملتے ہیں۔

نجد کا خطہ ایک وسیع خطہ ہے اور عرب کے دیگر حصص کی بہ نسبت اس میں آبادی بھی زیادہ ہے۔ بجز بیابانوں کے سارا ملک بستیوں سے معمور ہے جنہیں اس قدر قبائل بستے ہیں جنکا شمار مشکل ہے۔ بیابانوں میں بھی کثیر التعداد خانہ بدوش قبائل ہیں جو ایک معین جگہ پر قیام نہیں رکھتے بلکہ جابجا گشت لگاتے رہتے ہیں۔

حصص نجد

حائل

شمال کی طرف سے نجد کا آغاز جوف آل عمرو سے ہوتا ہے جو خیبر کے شمال میں ہے یہاں پہلے قبائل بنی عنزہ کا قبضہ تھا پھر شیوخ جبل شمر یعنی آل رشید متصرف ہو گئے تھے۔

یہ دو پہاڑ ہیں جنکے نام اجار و سلمیٰ ہیں۔ زمانہ قدیم میں جبل بنی طے کے نام سے مشہور تھے انھیں میں عرب کے نامور سخی حاتم طائی کا مسکن تھا۔ ان کے درمیان متعدد بڑی بڑی آبادیاں ہیں مثلاً حائل۔ قفار۔ موقق۔ جبّہ۔ لقعار۔ سمیرا اور کہفہ وغیرہ۔ دارالامارت حائل ہے جس کی مردم شماری تخمیناً بیس ہزار ہے۔ باشندے تمامتر حنبلی ہیں۔ علماء و طلباء کی ایک اچھی جماعت یہاں رہتی ہے اور ایک بڑی جامع مسجد ہے۔

یہ مقام آب و ہوا کے لحاظ سے صحت بخش ہے۔ جابجا باغات۔ مزارع اور نخلستان ہیں۔ یہاں ایک قسم کی کھجور اس قدر میٹھی پیدا ہوتی ہے کہ وہ عرب میں حلوائے جبل کے نام سے مشہور ہے۔

القصیم

یہ نجد کا سب سے بہتر ضلع ہے۔ یہاں کے باشندے تمام نجدیوں سے زیادہ بہادر ہیں اسمیں دو بڑے شہر واقع ہیں عنیزہ اور بریدہ جہاں متعدد مساجد و مدارس ہیں جنمیں طلباء دینی علوم کی تحصیل و تکمیل کرتے ہیں۔ آب و ہوا بھی خوشگوار ہے۔ دیگر آبادیاں یہ ہیں الاسیاح۔ عین ابن فہید۔ حنیظل۔ الوالدو او قصیبا جو عنیزہ کے ماتحت ہیں۔ اور الشقہ۔ العیون۔ البصر القرعا اور وادی عنیزہ شہر بریدہ کی امارت سے متعلق ہیں۔

الوادی کے مواضعات حسب ذیل ہیں۔ الشیحیات۔ الہلالیہ۔ البکیریہ۔ الجزائر الرس

مع ملحقات صبیح۔ النبہانیہ۔ المذنب مع تین مواضع ملحقہ۔

اَسُدَیر

اِس ضلع کی آبادیاں یہ ہیں الزلفیٰ معہ پانچ مواضع۔ المجمعہ۔ وشی۔ الجوی۔ جلاجل التویم۔ الداخلہ۔ الروضہ۔ الحصون۔ الحوطہ۔ الخیوبیہ۔ العطار۔ الجنبقی۔ العودہ۔ تمیر عشیرہ اور الخطامہ۔ مرکز حکومت المجمعہ ہے۔

الوشم

اِس ضلع میں بہت سے قصبات و دیہات ہیں مثلاً الشقراء۔ وسیل۔ اشیقر۔ القرائن القرعہ۔ ترمدہ۔ مرآۃ۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں عرب کا سب سے مشہور شاعر امراء القیس رہتا تھا۔ وثیثہ یہاں جریر کا گھر تھا جو عہد بنی امیہ کا سب سے بڑا شاعر مانا گیا ہے۔ الجریفیہ۔ الحریق القصب۔ البیر۔ الدوادمی۔ الشعرہ۔ القویعیہ۔ الرویضہ۔ الخانوقہ۔ الحید وغیرہ۔ الشقراء متوسط درجہ کا شہر ہے اور وہی مقام امارت ہے۔

المحمل

اِس ناحیہ میں سب سے بڑا قصبہ ثادق ہے اور وہیں امیر رہتا ہے۔ اس کے علاوہ البیر الصفرہ۔ رغبہ۔ البیرہ۔ وقلہ۔ القرنیہ۔ ملہم صلیوخ وغیرہ یہاں کی بڑی آبادیاں ہیں اس ضلع میں زراعت زیادہ ہے اِسوجہ سے باشندوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔

العارض

یہ وادی حنیفہ اور یمامہ کے نام سے مشہور رہے۔ یہی نجد کا مرکز ہے۔ پہلے یہاں کا شہر درعیہ آل سعود کا دارالامارت تھا لیکن مصری فوج نے اپنے تسلّط کے زمانہ ۱۲۳۴ھ میں اس کو منہدم کر ڈالا۔

اب الریاض مرکز ہے جو اسی ضلع میں واقع ہے۔ اس کے بعد حریملا پڑتا ہے جہاں شیخ محمد بن عبدالوہاب رہتے تھے۔ اس کے بعد سدوس ہے یہاں تبابعہ اور سلاطین حمیر کے عہد کے کچھ کھنڈر تھے جنکی دیواروں پر نقوش کندہ تھے۔ مغربی سیاح آثار قدیمہ کی جستجو میں کبھی کبھی وہاں پہونچ جاتے تھے۔ باشندوں کو یہ ناگوار ہوا اس لئے انہوں نے ان آثار کو منہدم کر ڈالا۔

اس کے بعد ضرما۔ العمادیہ۔ البوکباش۔ الجبیلہ۔ العُیَیْنَہ جہاں شیخ پیدا ہوئے تھے اب یہ جگہ ویران ہو گئی ہے۔ منفوحہ یہ اعشیٰ کا وطن ہے جو رجال معلقات میں سے ہے۔

الخرج

العارض سے جنوب میں آٹھ گھنٹہ کی مسافت پر الخرج ہے۔ یہ مقام اپنے نخلستانوں اور میوؤں کی وجہ سے مشہور ہے۔ اسی میں قبیلہ عائذ کی بود و باش تھی جن کا کسی زمانہ میں بڑا رعب تھا۔ اب وہ بادیہ میں جابجا متفرق طور پر آباد ہو گئے ہیں۔

الخرج کے ماتحت اسلمیہ۔ الدلم۔ الیمامہ۔ زمیقہ۔ نعجان۔ السیح وغیرہ ہیں جنمیں باشندوں کی کثرت ہے۔

وادی الفرع

یہ بہت ہی آباد وادی ہے اور ہر چہار طرف نخلستانوں سے معمور۔ بیشتر باشندے بنی تمیم ہیں۔ الحوطہ۔ الحریق۔ نعام اور الحلوہ یہاں کی مشہور بستیاں ہیں۔ الحلوہ میں امیر رہتا ہے۔

الافلاج

قبیلہ الدواسر کی سرزمین کا آغاز اسی مقام سے ہوتا ہے۔ اس کے بڑے مواضعات لیلیٰ۔ البدیع۔ الاحمر۔ الھدار وغیرہ ہیں جن میں باشندے بھرے پڑے ہیں۔

وادی الدّواسر

اِس کا پہلا مقام السلیل ہے اور اس کی بستیاں اللدام ۔ کثیرہ ۔ الجنائحُ وغیرہ بندرہ مواضعات پر مشتمل ہیں ۔ یہاں پہونچکر نجد کی جنوبی حد آجاتی ہے ۔

وادی الدواسر کے علاوہ وادی حنیفہ ۔ وادی القصیم جسکو وادی الرمہ بھی کہتے ہیں اور وادی سدیر نجد کی مشہور وادیاں ہیں اور عرب کا سب سے بڑا ریگزار الدھنا بھی نجد کی سرحد پر واقع ہے ۔

کل رقبہ و آبادی

معمورۂ نجد شمال سے جنوب یعنی جوف آل عمرو سے وادی الدواسر تک پندرہ دن کی مسافت ہے اور شرقاً و غرباً چھ دن کی اور غیر معمور یعنی بادیہ نجد طولاً و عرضاً ایک ایک ماہ کی ۔

امین ریحانی کے بیان کے مطابق کل خطہ نجد کا رقبہ کم و بیش ۵ لاکھ میل مربع ہے جس میں سے نصف غیر آباد ہے ۔ مردم شماری تخمیناً ۲۰ لاکھ ہے ۔

عرب کے دیگر باشندوں کی طرح نجد میں بھی بادیہ نشینوں کی تعداد اہل حضر کی بہ نسبت زیادہ ہے ۔ کیونکہ عرب طبعاً بیابانی زندگی کو پسند کرتے ہیں جس کی مدح سے ان کے اشعار کے دفاتر لبریز ہیں ۔

اطراف نجد

نجد کے جنوب میں بلاد عسیر ہے جس میں مختلف بہادر اور جنگ جو قبائل کی سکونت ہے بعض حضری ہیں اور بعض بدوی ۔ حضری باشندوں میں سے شہران کے قبائل ہیں جو بنی حمیر سے ہیں ۔ اِن کی تقریباً ایک سو بستیاں ہیں جو پہاڑوں میں واقع ہیں اور ان کا مرکز

الشقا میں ہے۔

شرق نجد میں احسار اور قطیف واقع ہیں۔ یہ خطہ کی سرزمین ہے جو اپنے نیزوں کی خوبی کی وجہ سے عربی شاعری میں اسی قدر مشہور ہے جسقدر زلف مشکیں کے لئے عجمی شاعری میں خطا۔

احسار کے حدود وسیع ہیں اس میں دو سو سے زیادہ بستیاں اور چھ قلعے ہیں۔ ہفوف اور مبرزیہاں کے دو بڑے قصبے ہیں۔ مبرز میں بہت بڑا بازار ہے اور کئی مدرسے اور مسجدیں ہیں۔

قطیف ساحل بحر کا علاقہ ہے۔ یہاں کے تمام باشندے شیعہ ہیں۔ اس کے مشرق میں عقیر واقع ہے جو احسار کا بندرگاہ ہے۔ اہل نجد تجارتی سامان اسی مقام پر کشتیوں میں لاکر اتارتے ہیں پھر اونٹوں پر لادکر احسار میں لیجاتے ہیں۔

عقیر کے مشرق میں قطر ہے جہاں وائل اور قحطان کے قبائل بستے ہیں۔ یہاں کسی قسم کی پیداوار نہیں ہوتی۔ یہ لوگ کشتیاں بناتے اور غواصی کرکے موتی نکالتے ہیں۔

قطر کے ساحل پر قحطانیوں کے علاوہ چند قبائل بنی ہاجر کے اور ایک بڑا قبیلہ مناصیر نامی بھی سکونت رکھتا ہے۔ مشہور مقامات میں سے بدع اور نوبرط ہیں جو لب بحر واقع ہیں۔

احسار اور قطیف میں بھی پیداوار نجد کی طرح وافر ہے۔ کھجوروں کے علاوہ چاول۔ گیہوں۔ جو۔ تل۔ مسور اور جوار بھی پیدا ہوتی ہے۔ گھوڑے۔ بیل۔ گدھے۔ اونٹ بھیڑ نیز جنگلی جانوروں ہرن۔ نیل گائے۔ گورخر کی کثرت ہے۔ درندے بھی بہت ہیں۔

احسار میں تین کانیں تانبے کی اور سات نمک کی ہیں جن میں سے صرف چار مستعمل ہیں اور باقی بیکار۔ اسلامی اصول کے مطابق ان پر کوئی محصول نہیں ہے۔ ہر شخص کو

اختیار ہے جسقدر نمک چاہے لیجائے۔

ایک کان سے ایک خاص قسم کی مٹی بھی نکلتی ہے جو صابون کے بجائے وہاں استعمال کی جاتی ہے۔

ہفوف کے مغرب میں ایک چشمہ عین نجم نامی مشہور ہے جس میں ہمیشہ گرم پانی جاری رہتا ہے۔ عوام کا اعتقاد یہ ہے کہ اس میں جو شخص غسل کرتا ہے بیماری سے شفا پاتا ہے بعض سلفی خیال کے نجدیوں نے اپنے قبضہ کے زمانہ میں فتنہ شرک کے خوف سے اس کو بند کر دیا تھا لیکن جب مدحت پاشا نے قبضہ کیا تو اس کو پھر کھلوا دیا۔

سارے خطہ احساء و قطیف میں تیس بڑے مدارس ہیں جن میں علوم عربیہ کی تعلیم ہوتی ہے اور تقریباً چار سو مساجد ہیں جنمیں اکثروں میں ابتدائی مکاتب ہیں۔ ہفوف میں ایک عظیم الشان جامع مسجد بھی ہے جو ایک عثمانی امیر نے ۱۰۴۷ھ میں تعمیر کرائی تھی۔

صنعت اور تجارت کم اور زراعت زیادہ ہے۔ صرف احساء میں نخلستانوں کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب ہے۔

قبائل نجد

نجد کا سب سے نامی قبیلہ مُطیر ہے جو شجاعت اور کرم میں ممتاز ہے۔ اس کی متعدد شاخیں ہیں۔ الدّولیبی۔ الموہہ۔ الملاعبہ۔ مُسّلم۔ بُرّیّہ۔ المرنجات۔ الھواٰل۔ مشہور یہ ہے کہ یہ قحطانی ہیں لیکن قلقشندی نے نہایۃ الارب میں لکھا ہے کہ مطیر بنی طسم کے بقایا ہیں جو عمالیق اور عرب عاربہ میں سے تھے اور یثرب میں بود و باش رکھتے تھے یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے ان کو وہاں سے نکال دیا۔

دوسرا مشہور قبیلہ عجمان ہے ان کے بھی متعدد بطون ہیں آل معیض ۔ آل حبیش آل سلیمان آل ہتلان ۔ آل محفوظ ۔ الضاعن ۔ الشامر ۔ آل مصرح ۔ الشواولہ ۔ آل منلح یہ بھی قحطانی ہیں ۔

ایک بڑا قبیلہ آل مرّہ ہے ۔ یہ لوگ بہت قوی اور بارعب ہیں اور مختلف شاخوں میں منقسم ہیں ۔ آل جابر ۔ آل عذبہ ۔ آل غفران ۔ آل فہید ۔ آل علی ۔ ۔

قبیلہ آل عتیبہ بھی نامی ہے جس کی دو شاخیں ہیں الرومہ اور برقا ۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے متعدد خاندان ہیں ۔ نہایۃ الارب میں ان کو قحطانی قبیلہ خدام کی شاخ بتایا ہے ۔ آجکل یہ لوگ اپنے آپ کو آل شیبان کہتے ہیں ۔

قبیلہ قحطان جو عدنانی ہے اس کی قوت اور تعداد بہت زیادہ ہے اور حسب ذیل بطون میں منقسم ہیں الجمالین ۔ العرینات ۔ النبطہ یا الصلحہ ۔ الجبور ۔ آل عدی ۔ المذاربہ العیادی ۔ الصغمہ ۔ ملیح ۔ القرینات ۔ العزہ ۔

قبیلہ سہول پانچ قبائل کا مجموعہ ہے جو سب کے سب بنی سہول بولے جاتے ہیں یہ لخمی قحطانی ہیں ۔

الدواسر کا قبیلہ حضر اور بدو میں متعدد بطون میں منقسم ہے ۔ بادیہ نشین حسب ذیل ہیں المساعرہ ۔ آل ابی سیاح ۔ آل بریدہ ۔ آل المخازیم ۔ المرجبان ۔ الخیلات ۔ الشوافا ۔ الغیاثات ۔ آل ابی حازم ۔ آل عمّار ۔ یہ یمنی عرب ہیں اگرچہ کسی قدیم قبیلہ کیطرف منسوب نہیں ۔

بنی خالد بھی جو پہلے احسار کے مالک تھے بہت سے عشائر میں بٹے ہوئے ہیں المہاشیر الجبور ۔ آل حمید ۔ آخر الذکر میں سے شیوخ قبائل ہوتے ہیں ۔

ایک بڑا قبیلہ حرب ہے جو ملک کے مختلف حصوں حضر و بدو میں پھیلا ہوا ہے ۔ اسی

طرح ہذیل وبقوم کے قبائل ہیں۔ بعض بعض خاندان ثقیف کے ہیں جو اصل میں طائف کے باشندے تھے۔

قبیلہ ازد کے بھی خاندان ہیں جو عمان بولے جاتے ہیں۔ ان کی شاخیں مناصیر۔ نعیم اور سعد ہیں۔ نیز بادیہ یمن کے بھی چند قبیلے ہیں مثلاً غامد۔ زہران۔ بجیلہ۔ شہران۔ بسعد وغیرہ۔ کچھ قبیلے ایسے بھی ہیں جنکی اصلیت مجہول ہے جیسے الصلیب۔ العوازم۔ الرشایدوغیرہ یہ اہل ملک کی نظر میں بحیثیت نسب کے بے وقعت ہیں۔

ربیعہ کے قبائل بھی ہیں جو بحرین قطیف وہجر سے آکر آباد ہوگئے ہیں۔ ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے گمنام قبیلے اور خاندان اور بھی بہت ہیں جنکی تفصیل دشوار ہے۔

اہل نجد کی عام حالت

معاش

نجد میں زراعت بھی ہوتی ہے۔ باغ ونخلستان بھی ہیں۔ مویشی کی کثرت ہے۔ اور یہی چیزیں ان کا ذریعہ معاش ہیں۔ کچھ لوگ صنعت وحرفت وتجارت سے بھی بسر اوقات کرتے ہیں۔

ان کی غذا کا بڑا حصہ کھجور ہے جو دنیا بھر سے بہتر ان کے یہاں پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دودھ۔ گھی۔ گوشت۔ چاول گیہوں۔ جو اور جوار بھی کھاتے ہیں۔ ٹڈی کے بڑے عاشق ہیں۔ جب اس کا دل کہیں سے آجاتا ہے تو بڑی مقدار میں شکار کرکے نمک ملاکر ان کو بھون لیتے ہیں اور ذخیرہ جمع کرکے رکھتے ہیں۔

چاء وقہوہ کا بھی عام رواج ہے لیکن تمباکو سے نفرت رکھتے ہیں۔ تمام ملک میں اس

کا استعمال ممنوع ہے۔ جو شخص حقہ۔ سگریٹ یا سگار پیتا ہوا پکڑا جائے اس کو "لبسط" کی سزا دیجاتی ہے یعنی زمین پر ڈال کر کھجور کی تازہ چھڑی یا بید سے مارتے ہیں۔

لیکن بعض لوگ مخفی طور پر تمباکو کا استعمال کر لیتے ہیں۔ امراء یا شیوخ کسی قدر چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ مگر الریاض کے اس محلہ میں جس میں علماء کی سکونت ہے ممکن نہیں کہ کوئی شخص اپنے گھر میں بھی سگریٹ جلا سکے کیونکہ ان کی قوت شامہ دیواروں کو پھاڑ کر اسکی بو سونگھ لیتی ہے۔ اور مجرم پکڑ لیا جاتا ہے پھر لبسط سے نہیں بچ سکتا۔

سیر و سیاحت کا باشندوں کو بہت کم شوق ہے خاصکر دور و دراز ممالک جیسے یورپ یا امریکہ وغیرہ کی طرف نہیں جاتے۔ اسی وجہ سے تجارت بھی کم ہے۔ بیشتر اپنے ملک کی پیداوار یا گھوڑوں کی سوداگری کرتے ہیں۔ بعض صاحبان دولت ہیں جو بصرہ۔ عمان یا ہند میں کاروبار رکھتے ہیں۔

لباس

اہل نجد نہایت سادہ لباس ہیں قباء وعبا پہنتے ہیں۔ علماء عمامے باندھتے اور عوام الناس مندیل پر عقال (سربند) استعمال کرتے ہیں۔ پاؤں میں جوتے اور ہاتھوں میں عصا رکھتے ہیں۔ خوشبو یعنی مشک و عطر وغیرہ بہت ملتے ہیں اور اسکا بڑا شوق رکھتے ہیں۔

بہ نسبت عرب کے دیگر حصص کے وہ صورت میں مقبول اور معتدل ہوتے ہیں بالعموم ان کا رنگ گندمی یعنی سرخ و سپید ہوتا ہے۔

خصائل

اوضاع و اطوار میں عربی شرافت کا نمونہ ہیں۔ شجاعت۔ کرم۔ راستبازی۔ پاس حق و عہد و مہمان نوازی میں مشہور۔ اور ذہن و ذکا و حلم و فہم میں ممتاز ہیں۔ شہسواری انکا

خاص فن ہے اور گھوڑوں کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔
باشندوں میں ثروت اگرچہ عام نہیں ہے لیکن قناعت۔ صبر اور شکر کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔

دینی شغف

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر عہد میں جزیرۃ العرب کے اکثر بلکہ تقریباً ساری حصوں میں اسلام پھیل گیا تھا۔ اسی وقت سے اہل نجد مسلمان ہیں۔ ایک زمانہ کے بعد طول عہد نبوی جہالت دینی اور تقلید زمانہ کے اثرات سے دیگر ممالک اسلامی کی طرح وہاں بھی مشرکانہ رسوم اور بدعات پھیل گئیں اور فرائض شرعیہ وسنن سے غافل ہو کر انہوں نے انھیں خرافات اور توہم پرستیوں کو دین سمجھ لیا۔ بارہویں صدی کے نصف اول تک ان کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کا ظہور ہوا جنہوں نے ان کے اصلاح کی کوشش کی اور بتائید الٰہی ان کو جہالت کی تاریکی سے اسلامی روشنی میں نکال لائے۔ اب بجز تھوڑے سے اہل تشیع کے جو الحسا رہیں ہیں اور جنکی تعداد تیس ہزار سے زیادہ نہیں ہے اِس سرے سے اُس سرے تک تمام اہل نجد خالص موحد اور متبع سنت ہیں۔ اصول میں عقائد سلف کے پابند اور فروع میں حنبلی مذہب کے پیرو ہیں۔

دین میں ان کو انہماک ہے اور علمی وعملی دونوں حیثیتوں سے نہ صرف اسمیں توغل بلکہ غلو رکھتے ہیں۔ توحید کے فدائی۔ کتاب وسنت کے شیدائی اور شرک وبدعت کے سخت دشمن ہیں۔ ترک صلوٰۃ تو کجا ترک جماعت پر بھی وہاں سزا ملتی ہے۔ ہر ہر محلہ کی مسجد میں ایک ایک جریدہ ہوتا ہے جسمیں نمازیوں کے نام مندرج ہوتے ہیں جب کوئی شخص جماعت سے غیر حاضر ہوتا ہے تو لوگ بیمار سمجھکر اس کی عیادت کو جاتے ہیں۔ اگر وہ تساہل کی وجہ سے

نہیں آیا ہے تو سمجھاتے ہیں جو اس پر بھی شریک نہیں ہوتا تو "بسط" کی سزا پاتا ہے خواہ کوئی ہو۔

تعلیمی چرچا

اہل نجد بالعموم خواندہ ہیں اور علوم دین کا ان میں کثرت کے ساتھ رواج ہے۔ ہر شہر میں علماء کی جماعت ہے جنکے پاس کثیر تعداد میں طلباء پڑھتے ہیں۔ حکومت نجد بھی تعلیم میں سرگرمی کے ساتھ کوشش کرتی ہے۔ محلہ محلہ اور قبیلہ قبیلہ بلکہ نخلستانوں میں بھی مدرسے ہیں اور بدوی قبائل میں بھی معلم بھیجے جاتے ہیں جو لوگوں کو اسقدر تعلیم دیدیتے ہیں کہ وہ حدیث وتفسیر وغیرہ کی کتابیں پڑھ سکیں۔ بڑے بڑے شہروں میں تکمیل علوم دینیہ کے لئے مدارس ہیں جن میں نامور علماء وفضلاء درس دیتے ہیں اور دیار و امصار کے طلبہ کی کثرت رہتی ہے۔

علمی ذوق

اہل نجد چونکہ حنبلی ہیں اس وجہ سے علماء سلف میں سے طبعًا ان کو ائمہ حنابلہ کی کتب سے ذوق ہے مثلاً علامہ ابن جوزی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی اور ابن رجب صاحب طبقات الحنابلہ وغیرہ خاصکر امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگردوں علامہ ابن القیمؒ۔ حافظ عماد ابن کثیر۔ امام ذہبی وغیرہ کی کتب سے بہت عشق رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ وہ دیگر فرقوں کے علماء اعلام کی کتابوں کو بھی پڑھتے ہیں مثلاً حافظ ابن حجر۔ غزالی۔ سبکی اور سیوطی وغیرہ اور ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر میں ابن جریر طبری۔ ابن کثیر۔ امام بغوی۔ بیضاوی۔ خازن۔ حدادی۔ وغیرہ سے مدد لیتے ہیں اور حدیث میں صحاح ستہ اور ان کی شروح مثلاً عسقلانی یا قسطلانی شروح بخاری۔ نووی شرح مسلم۔ مناوی شرح جامع صغیر وغیرہ کو سند سمجھتے ہیں۔

ادب۔ لغت۔ نحو اور تاریخ وغیرہ سے بھی بڑا ذوق رکھتے ہیں اور ان علوم کا چرچا وہاں عام ہے اس علمی فضا کی وجہ سے بعض بعض علمار نجد کے پاس اچھے اچھے کتب خانے بھی ہیں اور وہ لوگ علوم دینیہ کی مفید کتابیں بھی تصنیف کرتے رہتے ہیں۔

ادبار و شعرار کی بھی کثرت ہے اور باوجود خراب ہونے کے بھی آج اہل نجد کی زبان عرب کے ہر حصہ سے زیادہ فصیح اور ان کا لہجہ ہر جگہ کے لہجہ سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

نظام عمومی

باشندے چونکہ بالعموم متدین اور متقی ہیں اور فسق و فجور اور جرم و گناہ سے بوجہ خوف الٰہی کے ڈرتے اور پرہیز کرتے ہیں اور حکومت بھی پوری قوت کے ساتھ قوانین شرعیہ اور حدود کے اجرار میں سختی کرتی ہے اس لئے جرائم شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ غارت گری یا سرقہ معدوم ہے اور فحش و زنا مفقود۔ حالانکہ ملک میں نہ حرس ہے نہ شرطہ (چوکیدار و پولس) اور مسکرات کا استعمال نہ صرف وہاں ناپید بلکہ ناممکن ہے۔

حریّت

بجز شرعی پابندیوں کے ہر شخص کو کامل آزادی حاصل ہے اور امیر و مامور سب کے حقوق کا یکساں احترام کیا جاتا ہے۔ مشہور انگریزی سیاست داں مسٹر بلنٹ جو ۱۸۸۰ء میں کسی غرض سے نجد گیا تھا اپنی کتاب "سکریٹ ہسٹری آف دی برٹش اکوپیشن آف ایجپٹ" میں لکھتا ہے۔

میں نے دنیا کے اکثر شہروں کی سیر کی ہے مگر جو چیز باوجود تلاش مجھے مشرق یا مغرب کے شہروں میں حاصل نہ ہوئی وہ نجد کی گلی کوچہ میں خود بخود مل گئی۔ اس کے تین بڑے عنوان ہیں۔ حریت۔ مساوات۔ اخوت۔ جن کا ذکر ہم یورپ والے نہایت فخر و مباہات کے ساتھ کرتے ہیں مگر یہ وہ الفاظ ہیں جو کبھی شرمندۂ معنی نہ ہوئے۔ لیکن نجد میں میں نے اُن

کو حقائق ثابتہ پایا۔

فرانس کے تمام در و دیوار پر تم جلی حروف میں ان الفاظ کو لکھا ہوا دیکھو گے مگر نجد میں ہر شخص عملاً اس سے بہرہ اندوز ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے جہاں نہ محصول اور لگان نے لوگوں کو تباہ و برباد کر رکھا ہے نہ جبری فوجی[1] خدمت ہے۔ لوگ ہر قسم کے جبر و اکراہ سے کامل طور پر آزاد ہیں۔ رائے عامہ[2] اس ملک کا قانون ہے۔ یہاں اگر کوئی دستور العمل ہے تو صرف یہ کہ ہر شخص ذمہ دار اور مسئول ہے اس لئے وہ اپنی عزت و خودداری کو اپنے ہر قول و فعل میں پیش نظر رکھتا ہے۔

یورپ کے تخیل پسند اصحاب نے اس قسم کی حکومت کا نقشہ دینی کتابوں میں کھینچا ہے مگر بادیہ نجد میں ہم نے اس کو حقیقت کا لباس پہنے ہوئے دیکھا۔

امین ریحانی لکھتا ہے :۔

میں نے اپنی تحریر میں ابن سعود کے لئے امیر اور اس کے محل کے لئے قصر کا استعمال کیا ہے۔ اس سے ناظرین کرام عرفی معنی نہ سمجھیں کیونکہ امیر نہ امیر ہے نہ قصر قصر۔ بلکہ اہل نجد کے نزدیک امیر صرف وہ شخص ہے جو اکیلے اللہ کی عبادت کرتا ہے اور قصر اگر کوئی ہے تو وہ مسجد ہے۔

---

[1] بے شک ان معنوں میں نہیں جو یورپ میں سمجھی جاتی ہے ورنہ ہر مسلمان جس میں صلاحیت ہے دینی حیثیت سے فوجی خدمت پر مجبور رہے۔

[2] اس لحاظ سے کہ نجد کا قانون شرع ہے جس کو وہاں کا ہر شخص جان و دل سے تسلیم کئے ہوئے ہے۔

حکومت نجد

نجد میں حکومت اگرچہ خاندانی اور شخصی ہے لیکن وہاں کا قانون صرف کتاب و سنت ہے اور امیر جملہ مہمات میں اہل علم و عقل کی ایک جماعت سے مشورہ لیتا ہے۔ کوئی کام صرف اپنی رائے سے نہیں کرتا۔ اس کی طرف سے شہروں میں امراء اور قضاۃ بھیجے جاتے ہیں جو نہایت لائق اور دیانتدار ہوتے ہیں اور بلا رو رعایت شرع کے مطابق اوامر و فیصلہ جات کی تنفیذ کرتے ہیں۔ امیر و غریب اور بعید و قریب ان کے نزدیک یکساں ہیں۔

رعایا سے اصول اسلام کے مطابق بجز شرعی زکوٰۃ کے اور کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا۔
حدود شرعیہ جاری ہیں یعنی ڈاکو و باغی کے لئے قتل وغیرہ۔ چور کے لئے قطع ید اور زانی کے لئے حد۔

فوج۔

بجز چند ہزار انتظامی دستوں کے جو سلطان یا امراء امصار کے پاس متعین ہیں نجد میں باقاعدہ ملازم جنگی فوج نہیں ہے۔ ضرورت کے وقت قبائل و عشائر سے رضاکار مجاہد شیوخ کی قیادت میں جمع ہو جاتے ہیں۔

علامہ آلوسی زادہ نے لکھا ہے کہ امیر نجد بر وقت جنگ ایک لاکھ آدمی فراہم کر سکتا ہے لیکن یہ قصہ ماضی کا ہے۔ اب اس کی فوجی طاقت اس سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ مزید برآں الاخوان کی جدید جماعت ہے جس کا شمار دشوار ہے۔

الاخوان

"توحید کے سپاہی اور موحدوں کے بھائی"۔ یہ جماعت خالص بدوی قبائل کی ہے

جنمیں اصلی عربی شجاعت اور دینی فدائیت ہے اور موجودہ سلطان ہی کے عہد میں عالم وجود میں آئی ہے۔ پندرہ سال بھی نہیں گذرے کہ ارطاویہ[1] کے چند شخصوں سے اس کی ابتدا ہوئی اور جنگل کی آگ کی طرح تمام ملک میں پھیل گئی۔ آج اس میں لاکھوں آدمی شامل ہیں جو ازالۂ منکر بالیَد خاصکر محو شرک و بدعت کے لئے اپنے آپ کو وقف رکھتے ہیں اور جس طرف امام کا اشارہ ہوتا ہے پرندوں کی طرح اڑتے ہیں۔

علم دین ان کی اولین شرط ہے چنانچہ اِن میں سے تقریباً ایک ثلث حافظ قرآن ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو بخاری شریف یا کم از کم بلوغ المرام کو ازبر رکھتے ہیں۔

اس کے افراد تین قسموں پر منقسم ہیں۔ اہل[1] علم متعلمین[2] ۔ مطاوعہ[3]۔ علماء مطاوعہ کو بڑھاتے ہیں وہ ملک میں جاکر اپنے جاہل بھائیوں کو تعلیم دیتے ہیں۔ جنگ میں سب ایک ساتھ جمع ہوجاتے ہیں۔

شرع کی پابندی۔ تدین۔ تقویٰ۔ قناعت۔ صبر اور جہاد میں ممتاز ہیں اور کسی قدر بدویانہ قسوۃ کے ساتھ امور دین میں سختی برتتے ہیں جس بستی میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں کے لوگ ان کے احتساب کے خوف سے لرزنے لگتے ہیں۔ زاہدانہ لباس اور سفید عمامے سے جوان کا امتیازی شعار ہے یہ تمام ملک میں پہچانے جاتے ہیں۔

سقوط حائل کے بعد جبل شمر کے تمام بدوی قبائل کو جبراً موحد بنا کر اپنی جماعت میں شامل کرلیا ہے۔ اب ایک بڑا حصہ اس میں انھیں لوگوں کا ہے۔ لیکن چونکہ وہ ابھی تک توحید میں پختہ نہیں ہوئے ہیں اس لئے ان میں اہل ارطاویہ یا غطغط وغیرہ کی سی شدت نہیں پائی جاتی۔

---

[1] یہ قبیلہ مطیر کا ایک موضع ہے۔

امین ریحانی نے ان کے متعلق ایک پوری فصل لکھی ہے۔ اسکی چند باتوں کا خلاصہ یہ ہے:-

• یہ الاخوان جماعت کیسی ہے؟ یہ نجدی وہابی جن کا نام لیتے ہوئے لوگ اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کون لوگ ہیں؟

کیا اشخاص ہیں جو ان کی حقیقت سے واقف ہوں۔ کیا یہ ہول یا موت کے فرشتے ہیں؟ یا دین کے محتسب؟ جنکی نگاہ میں بجز اللہ اور اس کی کتاب اور سنت رسول وصحابہ کے اور کچھ نہیں۔ ان دونوں سوالوں کا جواب اثبات میں ہے۔

متعدد مواقع پر انھوں نے اس کا ثبوت دیا ہے کہ واقعی ہول اور موت کے فرشتے ہیں۔ نہ حجاز اب تک انکو بھولا ہے نہ عراق نہ کویت۔

یہ نمازیوں اور مجاہدوں کا گروہ ہے۔ یہ توحید پر مرجانیوالوں اور جان دینے والوں کی جماعت ہے جو حمیت وعصبیت دینی میں نہایت شدید ہے۔

کل تک یہ لوگ جاہل بدو تھے لیکن توحید کا سبق سیکھکر آج اس کے علمبردار اور ابن سعود کی اصلی قوت بن گئے ہیں۔ وہی ہر امر میں ان کا امام ہے وہی ان سے کام لیتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے مراتب واوصاف سے بھی واقف ہے۔

ان کے کندھوں پر بندوقیں ہوتی ہیں اور ہاتھوں میں بیرقیں جنپر اللہ کا نام لکھا ہوتا ہے اور یہ ہر اس عربی قبیلہ پر حملہ کرتے ہیں جو توحید سے نا آشنا ہے۔ ان کے نزدیک وہ زندگی بیکار ہے جس میں اللہ کے لئے جہاد نہ ہو۔

ان کی فدائیت کی بنیاد وہ مستحکم یقین اور پختہ ایمان ہے جس نے ان کو ایسا شجاع بنا دیا ہے کہ سوائے اللہ کے کسی کا خوف ان کے دلو نہیں باقی نہیں چھوڑا۔ تلواروں کے سایہ میں ان کو جنت نظر آتی ہے اور پیچھے مڑتے ہوئے جہنم کی آگ۔ پھر کیوں نہ آگے بڑھیں اور کون

ہے جو ان کو شکست دے سکے۔

اُن کا نعرۂ مجاہدانہ یہ ہے۔

عُودوا الی اللہ ایّہا المشرکون۔ عُودوا الی النبی والسنہ۔ عُودوا الی دین التوحید نحن الاخوان علیکم .... اِنَّ سیفنا بتّار وفی منا عصیب۔	پلٹو اللہ کی طرف اے مشرکو! پلٹو نبی اور سنت کی طرف۔ پلٹو دین توحید کی طرف۔ ہم تم پر مسلط ہیں۔ .... ہماری تلوار تیز اور ہماری لڑائی کٹھن ہے۔

اور ترانۂ جنگ یہ ہے:۔

ھبّت ھبوب الجنۃ این انت یا باغیہا	جنت کی ہوائیں آرہی ہیں اُس کا آرزومند کدھر ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ الاخوان ایک ہولناک طاقت ہے اس میں اگر کمی ہے تو نظام کی جس سے یہ خطرہ ہے کہ کسی وقت یہ خود نجدی کے لئے وبال نہ بنجائے۔

امن وامان

نجد میں عدل شرعی قائم ہے۔ اس وجہ سے تمام ملک میں امن عام ہے علامہ ابن بشر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:۔

بلاد میں ہر سمت کامل امن وامان ہے۔ ایک معمولی مسافر جس موسم میں چاہے مال ومتاع لئے ہوئے نجد سے تہامہ۔ حجاز۔ یمن۔ عمان وغیرہ تک سفر کرے۔ اس کے لئے مطلقاً کسی ڈاکو یا چور کا خوف نہیں۔ خطہ نجد کے تمام باشندے اپنے مویشیوں کو موسم ربیع میں بلا کسی چرواہے کے بادیہ میں چھوڑے رکھتے ہیں۔ وہیں وہ چرتے ہیں اور بچے جنتے ہیں۔ کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا۔ موسم گذر جانے پر مالک آکر ان کو معہ بچوں کے لیجاتے ہیں۔ صرف گھوڑوں کے گلوں پر نگہبان رکھتے ہیں تاکہ نوزائیدہ بچوں کی خبرگیری اور حفاظت رکھیں۔ کیونکہ ان کو

گھوڑوں سے بہت محبت ہوتی ہے۔

ایک بار ایک عجمی زائر وادی سبیع کے قریب فروکش ہوا۔ وہاں اس کا ایک بیگ جسمیں دس قرش کی قیمت کا کوئی معمولی سامان تھا چوری گیا۔ اس نے امیر کو اطلاع کی۔ امیر نے اس دیار کے رؤسائے قبائل کو بلاکر حکم دیا کہ چور کا پتہ لگاؤ۔ ان لوگوں نے اس کو دشوار سمجھکر کہا کہ مال مسروقہ کا کئی گنا تاوان ہم سے لے لیا جائے لیکن اس زحمت سے معاف رکھا جائے مگر امیر راضی نہیں ہوا اور کہا چور کا پتہ لگانا ضروری ہے۔ آخر ان لوگوں نے اس کا سراغ لگالیا اور پکڑ کر لائے۔ امیر نے اس کو سزا دی۔

عجمی اس وقت جا چکا تھا اس لئے اس کا سامان حاکم زبیر کے پاس بھیجدیا کہ مالک کے پاس پہنچادے۔

اسی زمانہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ چند عرب جن کا پیشہ غارت گری تھا نجد کے ریگستان سے گذر رہے تھے اور سخت بھوکے تھے۔ وہاں انھوں نے چند بکریاں چرتی ہوئی دیکھیں جنکا کوئی چرواہا نہ تھا۔ کہنے لگے کہ ان میں سے ایک پکڑ کر ذبح کریں اور کھائیں لیکن کسی کی ہمت پکڑنے کی نہیں پڑی۔ اور ایک دوسرے پر ٹالتا رہا۔ آخر میں ان میں سے ایک نے کہا کہ بھائی ان کو نہ چھیڑو۔ ان کا چرواہا خود عبدالعزیز ہے۔

عجم۔ عراق۔ عمان وغیرہ ہر طرف سے قافلے۔ کاروان۔ تاجر اور سیاح درعیہ میں برابر آتے رہتے ہیں اور بڑے بڑے بیابانوں میں سے ان کا گذر ہوتا ہے لیکن کہیں کوئی خطرہ پیش نہیں آتا۔ نہ حکومت کی طرف سے اِن سے کسی قسم کا محصول لیا جاتا ہے اکیلا شتر سوار بلا کسی ہتھیار کے ایک چھڑی ہاتھ میں لئے ہوئے بادیہ عرب کا یمن سے شام تک بلا کسی خوف کے جب چاہے سفر کرسکتا ہے۔

ایک بار شام کی زکوٰۃ جو چھ ہزار ریال تھی چند عرب حلب سے لیکر درعیہ میں آئے راستہ میں جہاں رات کو ٹھہرتے تھے ان کو زمین پر ادھر ادھر ڈال کر اونٹوں کو کھول دیتے تھے اور خود کھا پی کر بے خوف سو رہتے تھے۔ کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کیا لئے جا رہے ہو۔ درعیہ میں امیر کی طرف سے عبید بن یعیش نامی ایک شخص اس لئے مقرر ہے کہ تمام جزیرۃ العرب کے آوارہ گرد لاوارث جانور لاکر اس کے سپرد کر دیئے جائیں۔ وہ چرواہے کے ذریعہ سے ان کی نگہداشت کرتا ہے۔ مالک جب تلاش کرتا ہوا آتا ہے اور اپنے جانور کی شناخت دیدیتا ہے تو وہ اس کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ بسا اوقات وہ ایک کا دو پاجاتا ہے کیونکہ مادہ جو بچے جنتی ہے وہ بھی ساتھ میں ملتے ہیں۔

اس امن و امان کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیانت اور تقوٰی اہل نجد کے دلوں میں بھر دیا ہے اور امیر کا رعب حاضر و بادی پر مسلط کر دیا ہے۔ تاریخ اسلام میں ایسا امن بجز عہد فاروقی کے اور کہیں نہیں ملتا۔

یہ کیفیت امام[ل] عبدالعزیز اول کے عہد کی ہے جو ۱۲۱۸ھ میں مقتول ہوئے جو آج تک بدستور بلکہ روز بروز بہتر ہوتی چلی آتی ہے چنانچہ اب موجودہ امیر امام عبدالعزیز ثانی کے عہد کی کیفیت امین ریحانی کی زبان سے سنئے وہ لکھتا ہے:-

ملک میں ہر سمت احساء سے تہامہ تک۔ ربع خالی سے جوف تک سلطان نجد کو عدل

ل ناظرین امام کے عرفی معنی نہ سمجھیں بلکہ یہ ایک اصطلاح ہے جس طرح ایران میں فرمانروا کو شاہ ترکی میں سلطان اور مصر میں خدیو کہتے ہیں۔ اسی طرح اہل نجد اس کو امام یا امیر کہتے ہیں۔ اہل یمن صرف امام۔ اہل حجاز شریف کا لقب دیتے ہیں خواہ وہ غیر ہاشمی ہی کیوں نہ ہو۔ بحرین اور کویت والے شیخ بولتے ہیں۔

کا ڈنکا بج رہا ہے۔ ہر قافلہ میں اس کا چرچا اور ہر مسافر کی زبان پر اس کا ذکر ہے۔

ابن سعود کا عدل کیا ہے؟ وہی عدل جو شرع کا ہے۔ وہی عدل جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ نہ مقدمات کے جھمیلے ہیں نہ مرافعات کے بکھیڑے۔ صاف صاف بیانات ہیں اور ان پر شرعی احکام جنکی تنفیذ بلا محابا کی جاتی ہے۔

ابن سعود کے عدل کا ایک ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ جب میں اس کے ساتھ مقام عقیر میں تھا تو سلطانی مطبخ میں لکڑیوں کی ضرورت پڑی۔ ایک بدو چار جمل لکڑیاں لایا۔ جنکی قیمت معمولی نرخ کے مطابق آٹھ آنے فی جمل تھی۔ اُس نے داروغہ مطبخ سے دو روپے فی جمل مانگا۔ وہ بولا قیمت زیادہ ہے اس پر وہ ڈیڑھ روپیہ پر اتر آیا لیکن یہ بھی زیادہ سمجھی گئی۔ اب وہ اپنے اونٹ پھیر کر لیچلا۔ داروغہ نے واپس بلا کر ایک روپیہ فی جمل دینا چاہا مگر وہ راضی نہوا۔

اس وقت غصہ سے داروغہ نے کہا کہ کاش امیر کا ڈر نہ ہوتا تو آج میں اس کو ٹھیک کر دیتا۔

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کسی یورپین یا تر کی سلطنت کے امیر یا وزیر کے معسکر میں ایک لکڑہارے کے ساتھ خدام مطبخ اس طرح کا برتاؤ کرتے۔ وہ تو جس قیمت پر چاہتے لے لیتے اور اس کو معہ اونٹوں کے بیگار میں الگ پکڑتے۔ یہ صرف نجد اور سلطانِ نجد کا عدل ہے کہ وہاں ایک ادنیٰ بدو کا بھی حق محفوظ ہے کہ وہ جس قیمت پر چاہے اپنی چیز فروخت کرے۔

آج نجد میں ہم جو امن دیکھتے ہیں اس سے وہ ممالک جو خوشحال اور متمدن کہلاتے ہیں قاطبتہً خالی ہیں۔ گو میں بادیہ نجد میں خود پانچ ماہ تک سفر کرتا رہا۔ دھنا کو دوبار

قطع کیا اور میرے بیگ اور صندوق سب کھلے ہوئے تھے کیونکہ ان کے قفل ٹوٹ گئے تھے اور وہ ہمیشہ بدؤوں ہی کی حفاظت میں مجھ سے الگ رہے لیکن کبھی میری ادنیٰ سی ادنیٰ چیز بھی ضائع نہ ہوئی۔ مگر میں اپنی مثال نہیں پیش کرنا چاہتا کیونکہ میں مہمان کی حیثیت سے سفر کر رہا تھا اور میرے ساتھ دس پندرہ سلطانی آدمی تھے حقیقت یہ ہے کہ امن کا منظر نجد میں اس قدر نمایاں ہے کہ اس کے لئے کسی مثال اور بیان کی ضرورت ہی نہیں۔ ابن سعود کی حکومت میں قافلے۔ کاروان تجارت اور مسافر وغیرہ ایک طرف سے دوسری طرف یعنی قطیف سے ابہا تک یا وادی دواسر سے وادی سرحان تک چالیس دن کی مسافت قطع کرتے ہیں لیکن کبھی کسی سے کوئی بدو آنکر یہ بھی نہیں پوچھتا کہ تمہارے پاس کیا مال ہے۔ اور تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جاؤ گے۔

ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ احسار ترکوں کے ہاتھ میں تھا۔ اس وقت فوجی قوت کو ساتھ لئے ہوئے یا بدؤوں کو رشوت دئے بغیر اس بیابان سے گذرنا محال تھا۔ خاصکر عقیر اور احسار کے درمیان کا راستہ جس سے نجد اسفل کے کارروان گذرتے ہیں سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ غارت گر قبائل نے آپس میں اس کے حصے تقسیم کر رکھے تھے۔ مسلمان عربی تاجر جب عقیر میں قدم رکھتا تو عجمان اُس سے خوّہ (رشوت) طلب کرتے۔ پھر نخل پہونچنے پر بنی مرّہ پچاس ریال لیتے۔ علاۃ میں جانے پر اسی قدر بنی ہاجر وصول کرتے۔ الغرض الحسا تک پہونچتے پہونچتے اس طریقہ سے اگرچہ اس کی جان تو بچ جاتی لیکن مال پھر بھی پورا نہیں پہونچتا تھا۔

کبھی کبھی وقوعہ یا حادثہ ہو جانے پر ترکی سواروں کا دستہ ان کی گوشمالی کے لئے بھیجا جاتا لیکن اکثر یہی ہوتا کہ بدو فوج کے گھوڑے اور سپاہیوں کے کپڑے وغیرہ سب

چھین لیتے اور وہ خراب وخستہ برہنہ پاؤں پیدل واپس جاتے۔ دوسرے روز وہی لیٹرے انہیں گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر میں آکر جلوہ نمائی کرتے اور ترکی حکومت ان کو دیکھکر سوائے خاموشی کے اور کچھ نہ کرسکتی۔

مگر یہی احسار جب سے ابن سعود کی حکومت میں آیا ہے یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ جب بیابان سے ہم گذر رہے تھے تو نفوذ کے قریب میں نے دیکھا کہ ایک ناتوان اونٹ سامان لے کر گرا پڑا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ لاغری اور تھکن سے گر گیا ہے اور اب اسی جگہ مر جائیگا۔ اس لئے اس کا مالک اس کو چھوڑ کر اپنے گھر گیا ہے کہ دوسرا اونٹ لاکر سامان لاد کر لیجائے۔ اب وہ دس روز میں آئیگا اس وقت تک اس کا یہ سامان اسی گذرگاہ پر پڑا رہے گا اور کیا مجال ہے کہ کوئی انسانی ہاتھ اس کو چھو سکے۔

سلطان یہ امن وامان کس طرح قائم کرسکا۔ صرف دو باتوں سے۔ ایک امور حکومت میں شرع کی پابندی۔ دوسرے ان کی تنفیذ بلا تردد اور بلا رو رعایت۔

یہ صرف سلطان ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اس کے تمام امرا بھی بلا استثنا راسی قسم کے ہیں۔ ان سب میں الحسار کا امیر عبداللہ بن احلوی خاص طور پر ممتاز ہے۔ یہ شخص عدل پروری میں اپنے ابن عم سلطان عبدالعزیز سے بھی بڑھکر ہے۔ اس میں عدل فاروقی ہے اور قسوۃ بد دیانہ۔ عدالت کی کرسی پر تنہا بیٹھتا ہے جہاں نہ رحم ہوتا ہے نہ رعایت۔ سب پر اس کا رعب چھایا ہوا ہے۔ بڑے سے بڑے جری و بد تمرا تے ہیں۔ مجرم اس کے نام سے کانپتے ہیں بلکہ سارا خطہ احسار لرزتا ہے۔ یہاں تک کہ مائیں اس کے نام سے بچوں کو ڈراتی ہیں۔

ایک دن اس کے سامنے ایک شخص نے فریاد کی کہ مجھے ایک لڑکے نے گالیاں

دیں اور پتھر مارا۔ اس نے نام پوچھا بولا کہ نام تو میں نہیں جانتا۔ کہا اگر لڑکے جمع کئے جائیں تو تم اس کو پہچان لوگے۔ جواب دیا کہ ہاں۔ امیر کے حکم سے فوراً اس محلہ کے لڑکے حاضر کردئے گئے۔ فریادی نے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا۔ کسی نے اس کے کان میں کہا کہ یہ تو خود امیر کا لڑکا ہے۔ وہ ڈر گیا۔ اب جو امیر اس سے پوچھتا ہے تو وہ کچھ نہیں بولتا اس لئے لڑکے سے خود سچی سچی کیفیت دریافت کی۔ اس نے جرم کا اقرار کیا۔ حکم دیا کہ مستغیث کے ہاتھ میں چھڑی دو کہ وہ اس کو مارے لیکن غلام رُکے اور وہ شخص بھی پیچھے ہٹا یہ دیکھکر امیر خود اٹھا اور یہ کہتے ہوئے کہ اگر ہم اپنی ذات سے شروع نہ کرینگے تو دوسروں پر کیا عدل کر سکینگے اپنے ہاتھ سے لڑکے کو بید لگائے۔

ایک بار چند اشخاص بنی مرّہ کے جو جنوبی نجد میں سب سے زیادہ وحشی قبیلہ ہے الریاض میں سلطان کے پاس اپنا وظیفہ لینے گئے۔ واپسی میں راستہ میں سے کسی کے چند اونٹ بھی ہانک لے چلے۔ مالک کو جب خبر ہوئی تو اس نے الریاض میں جا کر سلطان کو اطلاع دی۔ اس نے فوراً ایک تیز رفتار سوار امیر عبداللہ کے پاس دوڑایا۔ ابھی تک بدو راہ ہی میں تھے کہ سوار نے الحسا میں آکر واقعہ کی اطلاع دی۔ یہاں غیرت عدل کو تاب کہاں تھی فوراً ستو ستو سواروں کے چار دستے بیابان میں چاروں سمت بھیجدئے گئے چوبیس گھنٹے بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ مجرم معہ اونٹوں کے گرفتار ہو کر آگئے۔

اس کے بعد چند سوالات تھے اور چند جوابات پھر "الساحۂ" کا حکم۔ جہاں ایک مجمع

ۂ مقام ہفوف میں جہاں امیر عبداللہ کا مستقر ہے الساحہ اس میدان کا نام ہے جس میں خونیوں اور ڈاکوؤں سے قصاص لیا جاتا ہے۔ یہاں کے واقعات برقی رَو کی طرح تمام ملک میں سرعت کے ساتھ پھیلتے ہیں اور امن و امان قائم رکھتے ہیں۔ ترکوں نے اس خطہ میں چھ قلعے تیار رکھے تھے جنمیں فوجیں رہتی تھیں اور ان کے اوپر یہاں کی تقریباً ساری آمدنی صرف ہو جاتی تھی۔ ان سب سے وہ کام نہ ہو سکا جو آج الساحہ د (دیکھو صفحہ آیندہ)

نے دیکھا کہ آفتاب کی روشنی میں چمکتی ہوئی تلواریں نظر آئیں اور آٹھ لاشیں زمین پر تڑپنے لگیں۔ یہی وہ عدل ہے جسکی بدولت ابن سعود کی حکومت میں آٹھ آٹھ سو میل شرقاً و غرباً و جنوباً و شمالاً قافلے امن کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔ اس کو دعائیں دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور اس کے چند بیابانوں سے ہو رہا ہے اور وہ سب قطعے خالی اور بیکار پڑے ہیں۔ ممکن ہو کہ اس سے لوگ شرعی حدود کے مصالح سمجھ سکیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب

صاحب دعوتِ نجدیہ

سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان بن علی بن محمد بن احمد بن راشد بن برید بن محمد بن برید بن مشرف بن عمرو بن لعضاد بن ریس بن زاخر بن محمد بن علی بن وہیب تمیمی[1]

شیخ کے خاندان میں علم وفضل موروثی تھا۔ ان کے دادا سلیمان نجد کے سب سے بڑے فاضل اور صاحب درس تھے۔ ان کے والد بھی حنبلی مذہب کے نامی محدث وفقیہ تھے۔ پہلے شہر عُیَیْنَہ میں قاضی تھے۔ پھر حریملا[2] میں منتقل ہو گئے۔

ولادت وتحصیل علم

شیخ کی ولادت عُیَیْنَہ میں ۱۱۱۵ھ میں ہوئی۔ دس سال کی بھی عمر نہ ہوئی تھی کہ قرآن حفظ کر لیا۔ پھر اپنے والد سے دینی کتابیں پڑھیں۔ ابتدا ہی سے ان کو کتب حدیث وتفسیر کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو گیا۔ جب انہوں نے اصول اسلام کو تحقیقی نظر سے دیکھا تو اپنے

---

[1] شیخ کے ہم قبیلہ بعض بقایائے بنی تمیم خلیج عجم کے ساحل پر زبیدہ کے ناحیہ میں سکونت رکھتے ہیں۔

[2] یہ عبداللہ بن آل معمر کی امارت کے زمانہ میں وہاں تھے جو بڑا مدبر اور بیدار مغز رئیس تھا ۱۱۳۹ھ میں جب وہ مر گیا اور اس کا پوتا محمد اس کا جانشین ہوا جس کا لقب خرفاش تھا تو اس میں اور عبدالوہاب میں نزاع ہو گئی۔ جس کی وجہ سے اس نے ان کو عہدۂ قضا سے معزول کر دیا۔ عیینہ چھوڑ کر حریملا چلے گئے اور وہاں کے قاضی مقرر ہو گئے۔

اہل ملک کے بعض عقائد و اعمال ان کو قرآن و حدیث کے خلاف نظر آئے۔ ان پر اعتراضات کئے اس وقت گو خاص خاص لوگوں نے ان کی باتوں کو پسند کیا لیکن بالعموم ان کی طرف زیادہ توجہ نہ کی گئی۔

سفر حج

کچھ دنوں کے بعد شیخ حج بیت اللہ کو گئے۔ وہاں سے حرم رسول کی زیارت کے لئے مدینہ پہونچے۔ اس زمانہ میں عبداللہ بن ابراہیم بن سیف جو نجد کے مقام مجمعہ کے باشندے اور صاحب علم تھے اپنے اہل وطن کی مشرکانہ رسموں سے بیزار ہو کر جوار رسول میں آکر سکونت گزیں ہو گئے تھے۔ انھیں کے پاس ٹھہرے۔ انھوں نے ائمہ سلف کی تصانیف کا ایک نادر ذخیرہ جمع کر رکھا تھا۔ شیخ کو کتب کا شائق پا کر وہ خزانہ دکھلایا اور کہا کہ یہ وہ اسلحہ ہیں جو میں نے اہل مجمعہ کو سر کرنے کے لئے فراہم کئے ہیں۔

شیخ نے بعض کتب ان سے پڑھیں لیکن وہ ان کو علامہ محمد حیات سندی[۱] کے پاس لے کر گئے جو مدینہ کے رئیس العلماء تھے۔ ان سے ان کے علمی و دینی ذوق کا حال بیان کیا وہ بہت خوش ہوئے اور اپنی شاگردی میں لے کر علوم حدیث کی تکمیل کرادی۔ اس کے بعد شیخ نجد کو واپس آئے۔

سفر شام کا ارادہ

وطن میں حالات مناسب نہ دیکھکر شام کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور بصرہ پہونچے وہاں

---

[۱] علامہ محمد حیات سندی علوم حدیث و اسناد و رجال میں فرید عصر تھے۔ ان کی متعدد تصانیف مثلاً تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی علیہ السلام و تحفۃ المحبین فی شرح الاربعین وغیرہ بڑے پایہ کی کتابیں ہیں۔ مشہور محدث عبداللہ بن سالم بصری کے شاگرد تھے۔ مدینہ منورہ میں ۱۱۳۵ھ ہجری میں وفات پائی۔

محلہ مجموعہ میں شیخ محمد نامی ایک نامور محدث تھے۔ ان سے بعض کتابیں پڑھیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شروع کیا۔ اہل بصرہ دشمن ہو گئے۔ ان کے استاد کو بھی ان کی وجہ سے اذیت دی اور ان کو بھی ستا کر گرمی کے موسم میں ٹھیک دوپہر کے وقت شہر سے باہر نکالدیا۔ یہ وہاں سے تن تنہا پاؤں پیدل بلد زبیر کی طرف چل پڑے۔ راہ میں شدت تشنگی سے زبان پر کانٹے پڑ گئے مقام درب میں پہونچکر بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اتفاقاً زبیر کا ایک باشندہ ابوحمیدان نامی جو گدھوں پر مسافروں کو پہنچایا کرتا تھا ادھر سے گذرا ان کو جاں بلب پایا اور چہرہ پر ہیبت و وقار کے آثار آثار دیکھے۔ دل میں ترس آگیا۔ پانی پلایا اور سوار کرا کے بلد زبیر تک پہنچا دیا۔

واپسی وطن

گو شیخ نے یہ چاہا تھا کہ ملک شام میں جا کر اپنا اصلاحی کام شروع کریں لیکن مشیت الٰہی یہ تھی کہ دعوت توحید نجد میں ہو جو انتہائی جہالت اور توہم پرستی میں مبتلا تھا چنانچہ ان کے پاس صرفہ کے لئے جو رقم تھی وہ ضائع ہو گئی۔ اس لئے مجبوراً شام کا ارادہ ترک کر کے پھر نجد کا قصد کیا پہلے احسار میں آئے اور وہاں شیخ عبداللہ بن عبداللطیف شافعی کے پاس کچھ روز قیام کیا پھر حریملا میں پہونچے جہاں ان کے والد ۱۱۳۹ھ ہجری میں چلے گئے تھے۔

اکثر اپنے باپ کے حلقۂ درس میں بیٹھتے اور ان مشرکانہ رسوم و بدعات پر جو اہل نجد میں رائج ہو گئی تھیں اور جنکے خلاف علمار اپنی آواز نہیں اٹھاتے تھے اعتراضات کرتے چنانچہ ان کے اور ان کے والد کے درمیان بعض مسائل میں مناظرے بھی ہوئے۔

آغاز اصلاح

۱۱۵۳ھ میں جب ان کے باپ انتقال کر گئے تو انہوں نے نہایت جوش کے ساتھ توحید خالص و اتباع کتاب و سنت کا وعظ شروع کیا اور علانیہ طور پر اہل قبور سے استمداد اور

استغاثہ کی مخالفت کی اور اس کو شرک اکبر قرار دیا۔ اور مزارات کے لئے نذر و نیاز ماننا۔ ان پر ذبیحے وغیرہ چڑھانا۔ قبے بنانا چراغ جلانا وغیرہ سب کو حرام اور اسلام کے خلاف بتایا اور بلاخوف صاف صاف کہا کہ ان میں اور بت پرستی میں کوئی فرق نہیں۔

جو لوگ حق پسند تھے انہوں نے ساتھ دیا لیکن بالعموم امراء اور عوام الناس نے جو ان رسوم کو دین سمجھے بیٹھے تھے مخالفت کی۔

اہل حریملا

حریملا میں کوئی متفقہ رئیس نہ تھا۔ باشندے اگرچہ ایک ہی قبیلے کے تھے لیکن دو شاخوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک ریاست کا دعویدار تھا اور ایک دوسرے کی بات نہیں مانتا تھا۔ ان میں سے ایک قبیلہ کے پاس غلاموں کی ایک جماعت تھی جو حمیان بولے جاتے تھے۔ وہ شہر میں جا بجا ظلم و فساد کرتے تھے۔ شیخ نے ان کو تعدی اور دست درازی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اس پر وہ ان کے دشمن بنگئے۔ اور قتل کرنے کی نیت سے رات کو دیواروں پر چڑھکر ان کے گھر میں کودے مگر اس وقت شیخ کے پاس کچھ لوگ موجود تھے جنکی پکار پر اہل محلہ دوڑ پڑے اور غلام ڈر کر بھاگ گئے۔ یہ حالت دیکھکر شیخ نے حریملا کو چھوڑ دیا اور عیینہ چلے آئے۔

اہل عُیَینہ

عیینہ کا رئیس اس وقت عثمان بن حمد آل معمر تھا وہ ان کے آجانے سے خوش ہوا اور اکرام کے ساتھ پیش آیا۔

شیخ نے یہاں عبداللہ بن معمر کی بیٹی جوہرہ کے ساتھ نکاح کیا اور دعوت توحید میں سرگرمی کے ساتھ مشغول ہوئے۔ عثمان نے بھی اُن کی تعلیم کو قبول کیا اور حمایت کا بیڑا

اٹھایا۔ شیخ نے اس سے کہا کہ مجھے امید ہے کہ اگر تم توحید حق کی نصرۃ کے لئے کھڑے ہو جاؤ گے اور ثابت قدمی سے امداد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سربلند کرے گا اور سارے نجد کی حکومت بخشدیگا۔

اہل عیینہ میں سے بہت سے لوگ اور رؤساء، آل معمر جو معامرہ بولے جاتے تھے شیخ کے ساتھ ہو گئے۔ وہاں بعض درخت ایسے تھے جنکو جہلاء مقدس مانتے تھے۔ اُن پر اپنی مرادوں کی عرضیاں لکھکر لٹکاتے تھے اور ان کی برکت سے مقاصد کے پورا ہونے کی امید رکھتے تھے۔ شیخ نے اپنے ساتھیوں کو لیکر ان سب کو جڑوں سے کاٹکر پھینکدیا۔

قبہ زیدؓ

مقام جبیلہ کے متصل عیینہ سے فاصلہ پر ایک قبر زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی مشہور تھی جس کی لوگ پوجا کرتے، اس پر چڑھاوے چڑھاتے اور وہاں مرادیں مانگتے تھے۔ شیخ نے عثمان سے کہا کہ اس قبہ کو گرا دینا چاہیئے۔ عثمان نے کہا کہ بیشک۔ شیخ نے فرمایا کہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر بلا تمہارے میں گیا تو اس دیار کے باشندے قبر کی حمایت میں میرے مقابلہ میں کھڑے ہو جائینگے۔ عثمان نے کہا کہ میں بھی چلونگا۔ چنانچہ چھ سو آدمیوں کو ہمراہ لے کر وہ شیخ کے ساتھ وہاں پہونچا۔ اہل شرک چاہتے تھے کہ روکیں لیکن جب عثمان کو دیکھا کہ وہ جنگ کے لئے تیار ہو کر آیا ہے تو اُن کی ہمت مقابلہ میں آنے کی نہ ہوئی۔

شیخ نے اپنے ہاتھ سے قبہ کو منہدم کیا۔ بہت سے اعراب اہل جاہلیت کی طرح منتظر تھے کہ اس کی پاداش میں شیخ کے اوپر کوئی نہ کوئی آسمانی بلا ضرور نازل ہو گی لیکن جب کچھ نہ ہوا تو ان کے دلوں میں شیخ کی عظمت پیدا ہو گئی اور اس دیار میں بھی توحید

پھیلنے لگی۔

رئیس احساء

قبۂ زید کے انہدام کی خبر جب سلیمان بن محمد بن عزیز حمیدی رئیس احساء وقطیف کو پہونچی تو اس نے عثمان کو سخت تہدید آمیز لہجہ میں لکھا کہ اگر تم نے محمد بن عبدالوہاب کو قتل نہ کر ڈالا تو اس دیار سے جو کچھ تم کو وصول ہوتا ہے وہ سب کا سب میں روک دوں گا۔

چونکہ وہ رقم زیادہ تھی یعنی مال ومتاع کے علاوہ تقریبًا بارہ ہزار دینار رسالانہ اور اسی پر عثمان کی ریاست کا بڑا دار مدار تھا۔ اس وجہ سے وہ ایسا متردد ہوا کہ دنیا کے زوال کے خوف سے توحید کی حمایت سے اس کا دل متزلزل ہو گیا۔ شیخ کو بلا کر ذکر کیا۔ انہوں نے سمجھایا اور فرمایا کہ یہ دین حق ہے جسکو اپنے انبیاء کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ بنی آدم کے پاس بھیجتا رہا اور سنت الٰہی یوں ہی چلی آئی ہے کہ جو لوگ اس کی نصرت کے لئے کھڑے ہوئے ہمیشہ شروع شروع میں ان کا امتحان لیا گیا اور وہ ابتلا وآزمائش میں ڈالے گئے، لیکن آخر میں انہیں کو فتحمندی اور کامیابی عطا کی گئی۔ قرآن ان تصریحات سے بھرا پڑا ہے۔ تم کو بھی لازمی طور پر اسی راستہ سے گذرنا ہوگا لیکن دل میں خطرہ نہ لاؤ صبر و ثبات کے ساتھ امتحان کی کڑی منزلیں طے کرو۔ اور یہ یقین رکھو کہ حزب اللہ ہی کے لئے فلاح اور آخری غلبہ ہے۔

عثمان پر ان باتوں کا اثر ہوا۔ اس نے شرم سے گردن جھکا لی۔ لیکن احساء کی طرف سے طرح طرح کی افواہوں نیز دنیا وار ہم نشینوں کی تخویف۔ پھر خود اس کے نفس کی کمزوری نے اس کو اس امتحان میں ثابت قدم نہ رہنے دیا اور پہلے ہی معرکہ ابتلاء میں وہ شکست کھا گیا۔

شیخ کو بلا کر کہا کہ اب میرے امکان میں نہیں ہے کہ آپ کا ساتھ دلسکوں۔ سلیمان نے مجھے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے لیکن آپ کی ذات ورشتہ قرابت کی حرمت کی وجہ سے میں نہیں چاہتا کہ میری طرف سے کوئی اذیت پہونچے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ مجھ کو اور میرے شہر کو چھوڑ دیں۔ یہ کہکر ایک سوار فرید نامی کے ہمراہ شیخ کو وہاں سے نکالدیا۔ سخت گرمی کا وقت تھا آگے آگے ایک پنکھا ہاتھ میں لئے ہوئے پاؤں پیدل شیخ تھے پیچھے پیچھے وہ سوار۔ اس طرح درعیہ تک گئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس سوار کو عثمان نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ راستہ میں شیخ کو قتل کر ڈالے۔ اس نے اسکی تعمیل بھی کرنی چاہی لیکن اللہ تعالیٰ نے شیخ کو محفوظ رکھا۔

درعیہ

راستہ میں حمد و تسبیح کرتے ہوئے نہایت اطمینان کے ساتھ درعیہ پہونچے اور عبداللہ بن عبدالرحمن بن سویلم کے گھر میں ٹھہرے۔ چونکہ ان کی شہرت یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ دشمنوں کی زبان سے بدنامی ان اطراف میں جابجا پھیل گئی تھی اس لئے عبداللہ کو ان کی مہمانی سے خوف پیدا ہوا کہ کہیں امیر درعیہ محمد بن سعود اس سے ناراض نہ ہو جائے لیکن شیخ نے اس کو اور اس کے چچا حمد بن سویلم کو سمجھایا کہ میں حق کا مبلغ ہوں اللہ تعالیٰ نہ مجھکو ضائع کرے گا نہ ان لوگوں کو جو میری حمایت کرینگے۔ اس سے اُن کا دل مضبوط ہو گیا۔ انہوں نے درعیہ کے خاص خاص اشخاص کو بلا کر شیخ سے ملایا جب ان لوگوں نے ان کی باتیں سنیں اور توحید کی حقیقت سمجھی تو شیخ کا وقار ان کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ ان کے توسط سے اعیان درعیہ کی بھی آمد رفت شروع ہوئی۔ وہ بھی تعلیمات سنکر شیخ کے تابع ہونے لگے۔ اب ان سب کی خواہش یہ ہوئی کہ امیر کو بھی مطلع کریں

اوراس کو مشورہ دیں کہ شیخ کی حمایت کرے لیکن چونکہ مخالفت کا بھی خطرہ تھا اس لئے پہلے
اس کے دونوں بھائیوں مشاری بن سعود اور ثنیان بن سعود سے جو نابینا مگر صاحب بصیرت
تھا شیخ کی دعوت حق اور صفات حمیدہ کا ذکر کیا۔ پھر اس کی بیوی موضی بنت ابی وحطان
کو جو بڑی دیندار و متقی و عاقل و فرزانہ عورت تھی شیخ کے حالات سنائے۔ یہ سب کے سب
ان کے گرویدہ ہو گئے اور محمد بن سعود کو آمادہ کرنے لگے کہ وہ شیخ کی حمایت کرے اس
کی بیوی نے یہاں تک کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے ایسے
بزرگ کو ہمارے یہاں بھیجدیا۔ تم موقع کو غنیمت سمجھو اور ان کا ساتھ دو۔

ابن سعود

امیر نے چاہا کہ میں شیخ کو اپنے پاس بلاؤں لیکن ان لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم
خود ان کی خدمت میں جاؤ تاکہ عوام کے دلوں میں ان کی توقیر بیٹھ جائے اور کوئی ان
کو اذیت دینے کی جرأت نہ کرسکے۔ اُس کو یہ رائے پسند آئی اور خود بن سویلم کے گھر میں
شیخ سے ملنے کے لئے آیا۔ ان کی باتیں سنکر دل کو اطمینان ہو گیا۔ کہا میں مبارکباد دیتا
ہوں کہ آپ ایسے مقام میں آگئے ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے لئے وطن سے بھی
زیادہ اچھا ثابت ہوگا۔ شیخ نے فرمایا کہ میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ اگر تم نے اس کلمہ
توحید کی جسکی دعوت و تبلیغ کے لئے میں اٹھا ہوں صبر و ثبات کے ساتھ حمایت کی تو تمکو
عزت و تمکین نصیب ہوگی اور سارے بلاد نجد کے بادشاہ ہو جاؤ گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی
دستور قدیم سے چلا آتا ہے کہ وہ مخلصوں اور محسنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور ان کو قوت
و غلبہ عطا فرماتا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ نجد کے افق پر ہر سمت شرک اور جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی
ہے اور تمام تر باشندے باہمی تفرقہ اور جدال و قتال میں مبتلا ہیں۔ کیا عجب ہے کہ

اولاد کے ذریعہ سے ان کے تفرقوں کو مٹا کر باہم متحد کردے۔

بیعتِ حمایت

ابن سعود اس کے بعد خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور شیخ برابر اس کو توحید الٰہی کی حقیقت اور کلمہ طیبہ کے معنی سمجھاتے رہے۔ جب اس کو صحیح معرفت حاصل ہوگئی تو اس نے ان کے ہاتھ پر امداد و نصرت کی بیعت کی اور ان سے بھی یہ اقرار لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کرے تو ساتھ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ نہ چلے جائیں۔ نیز یہ بھی شرط کرلی کہ قدیم دستور کے مطابق میں اپنی رعایا سے جو سالانہ رقم لیا کرتا ہوں وہ لیتا رہوں گا۔ شیخ نے اس خیال سے یہ شرط منظور کرلی کہ جب اللہ تعالیٰ اس کی جائز آمدنی کے ذرائع وسیع کردیگا تو خلاف شرع محاصل کو یہ خود بخود چھوڑ دیگا۔ چنانچہ آخر میں ایسا ہی ہوا۔

اس طرح ۱۱۵۸ھ ہجری میں محمد بن عبدالوہاب امارت نجد کی طرف سے اسلام کے صحیح راہبر اور پیشوا تسلیم کرلئے گئے۔ اب جا بجا سے لوگ ان کے پاس ہدایت حاصل کرنے کے لئے آنے لگے۔ عیینہ کے بہت سے لوگ اور اکثر رؤسا معامرہ جو توحید کی معرفت سے بہرہ اندوز ہوچکے تھے درعیہ میں آگئے۔

رئیس عُیَینہ

جب عثمان کو معلوم ہوا کہ درعیہ میں شیخ کو جائے پناہ ملگئی اور وہاں ان کے متبعین جوق جوق جمع ہو رہے ہیں اور وہ حامیان توحید و ماحیان شرک و بدعت کا مرکز بن رہا ہے تو وہ مع چند اعیان کے خدمت میں حاضر ہوا تقصیر ماضی کی عذرخواہی کی اور کہا کہ آپ عیینہ واپس تشریف لیچلیں۔ میں ہر طرح پر امداد کے لئے تیار ہوں۔ شیخ نے

جواب دیا کہ اب یہ امیر میرے اختیار سے باہر ہے کیونکہ میں یہاں رہنے کا معاہدہ کر چکا اس نے جا کر ابن سعود سے کہا لیکن وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ یہ کسی صورت سے ممکن نہیں۔

عثمان اگرچہ تعاون کی بیعت کر کے گیا تھا لیکن اپنے شہر میں اس نے متبعین شیخ کی تعداد بڑھتی ہوئی دیکھکر یہ خیال کیا کہ کہیں درعیہ جو اب تک میرے زیر اثر ہے مجھ پر نہ غالب آجائے اس لئے ان کی عداوت شروع کی اور ان پر سختیاں کرنے لگا۔ ان میں سے چند لوگوں نے آکر شیخ سے فریاد کی۔ انھوں نے نصرۃ الہیٰ کا وعدۂ قرآنی یاد دلا کر ان کی ہمت بڑھائی اور اس بات پر بیعت لی کہ وہ حق کی حمایت میں جان سے دریغ نہ کرینگے۔ اہل عیینہ اس بیعت میں جوق در جوق شامل ہوئے۔ عثمان کو ان کی طرف سے اب زیادہ خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس نے قبیلۂ ظفیر کے رئیس ابن سویلط کو اپنی مدد کے لئے طلب کیا اور چاہا کہ ان کو قتل و تعذیب سے مغلوب کرے۔

جب متبعین شیخ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے یہ مشورہ کیا کہ اس سے پہلے کہ مدد آئے ہم لوگ اسی کو قتل کر ڈالیں چنانچہ ان کے بعض سرغنے حمد بن راشد اور ابراہیم بن زید وغیرہ نے ۱۱۶۳ھ ہجری میں جمعہ کے دن بعد نماز کے مجمع عام میں عثمان کو قتل کر ڈالا اور کسی کی ہمت نہ پڑی کہ انتقام کے لئے اٹھتا۔ اسی وقت سے وہاں موحدین کو غلبہ حاصل ہو گیا۔

عثمان کے قتل کے بعد امارت کے متعلق ان میں اختلاف رائے ہوا۔ اکثروں کا یہ خیال تھا کہ معامرہ میں سے کوئی شخص امیر نہ بنایا جائے ورنہ انتقام لینے کی کوشش کریگا لیکن شیخ خود وہاں گئے اور لوگوں کو سمجھا کر مشاری بن معمر کو امارت سپرد کر دی۔

اہل درعیہ

درعیہ کے باشندے بالعموم فرائض وسنن کی ادائگی میں سست۔ شعائر اسلامی سے بیخبر۔ مزارات کے شیدائی اور مشرکانہ رسوم کے خوگر تھے۔ شیخ نے ان کو کلمہ طیبہ کا اصلی مفہوم سمجھایا اور توحید الوہیت۔ توحید ربوبیت اور توحید عبودیت کی حقیقت ذہن نشین کرائی۔ پھر نبوت کی اصلیت وغرض اور انبیاء ورسل علیہم السلام کے مدارج خاصکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ان کو بتائی اور بعث بعد الموت اور ہر شخص کے اپنے اعمال کے مسئول اور ذمہ دار ہونے کا یقین ان کے قلوب میں راسخ کر دیا۔ اس اذعان کے ساتھ انکو اَوامرِ الہیٰ کے انقیاد اور خشوع وخضوع کے ساتھ عبادات اور صفات دینیہ مثلاً زہدؔ تقویٰ۔ صبر واستقامت۔ توکل وانابت وغیرہ کی طرف مائل کیا اور سنت رسول کے اتباع کی فضیلت ان پر آشکارا کی۔

یہ تمام تعلیمات ایسے عملی مصلحانہ اور حکیمانہ انداز سے دیں کہ بہت تھوڑے دنوں میں وہ شرک وبدعت اور توہم پرستی وجہالت کی تاریکی سے نکلکر اسلام کی اصلی روشنی میں آگئے اور جملہ فرائض واَوامرِ شرعیہ کے پابند اور منہیات وبدعات سے بری وپاک ہو گئے ان کے قلوب نہ صرف شیخ کی عظمت بلکہ ان لوگوں کی محبت وہمدردی سے بھی لبریز ہو گئے جو ان کی خدمت میں ہدایت حاصل کرنے کے لئے دیار وامصار سے کھنچے ہوئے چلے آتے تھے۔ چنانچہ وہ ان کی خدمت کرتے.... اور ان کا بار اٹھاتے تھے۔ اس طرح پر شیخ کے ارد گرد ایک نہایت خالص دینی فضا اور ایک متقی اور توحید پر جان فدا کرنیوالی بڑی جماعت پیدا ہو گئی۔

طلبہ اور وافدین کا اس کثرت سے ازدحام تھا کہ ان کے لئے سامان معیشت فراہم

کرنا مشکل ہوگیا۔ مگر وہ لوگ دین کے ذوق میں فقر وفاقہ کی پروا نہیں کرتے تھے۔ بیشتر راتوں کو محنت مزدوری کرکے جا بجا سے کچھ سد رمق حاصل کرلیتے اور دن کو شیخ کے تفسیر و حدیث و فقہ حنبلی کے حلقہ تعلیم میں شریک رہتے۔ اور عقائد سلف کے مذاکرے کرتے تھے لیکن زیادہ زمانہ نہ گذرنے پایا کہ ابن سعود کی فتوحات کے ساتھ ساتھ درعیہ پر چاروں طرف سے اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت کے دروازے کھولدئیے اور وہاں رزق کی ایسی فراخی اور متاع دنیا کی اس قدر فراوانی ہوگئی کہ عرب کے کسی دوسرے شہر میں نہ تھی۔

تبلیغ عام

اب شیخ نے دوسرے شہروں کے امراء۔ رؤساء، علماء و قضاۃ کے پاس تبلیغی خطوط بھیجے۔ اہل نظر اور حق پسند لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی اور اس کے حامی بن گئے۔ امیر سید محمد بن[1] اسماعیل صنعانی نے جوش سرور میں شیخ کی مدح میں ایک شاندار قصیدہ لکھکر بھیجا جو اہل علم میں بہت مقبول ہوا اور جس کا مطلع یہ ہے۔

سلامی علی نجدٍ ومن حلّ بالنجدِ — وان کان تسلیمی عن البعد لایجدی

شیخ کے بھائی سلیمان بن عبد الوہاب جو باپ کی جگہ حریملا میں قاضی تھے اول اول ان کے مخالف ہوئے اور ان کی تردید میں رسائل لکھے جو اغلاط و تعصبات سے مملو تھے

---

[1] امیر سید محمد بن اسماعیل کی ولادت ۱۰۹۹ھ میں ہوئی تھی۔ علوم دینیہ شیوخ حرم سے حاصل کئے اپنے وقت کے بے مثل محدث و فقیہ تھے۔ صنعاء میں امام اور دیار یمنیہ میں مجتہد مطلق کا رتبہ رکھتے تھے وعظ و افتاء و تدریس و تصنیف میں زندگی گذاری۔ ان کی متعدد کتابیں نہایت مقبول ہوئیں مثلاً سبل السلام شرح بلوغ المرام۔ تطہیر الاعتقاد عن الالحاد۔ شرح التنقیح فی علوم الحدیث وغیرہ۔ ابن دقیق العید کی شرح العمدہ کا حاشیہ العدہ بھی ان کے علمی کمال کا شاہد ہے۔ ادب سے بھی ذوق رکھتے تھے۔ ایک دیوان اشعار یادگار ہے۔ ۱۱۸۲ھ میں وفات پائی۔

اگر شیخ کا برتاؤ ان کے ساتھ ایسا ناصحانہ رہا کہ آخر میں وہ آکر متبعین میں داخل ہو گئے اور اقرار کیا کہ میں نے جو کچھ مخالفت میں لکھا تھا وہ لوجہ اللہ نہ تھا۔

لیکن اکثروں نے جن پر رسوم زمانہ کی تقلید غالب تھی شیخ کی دعوت کا انکار کیا۔ کسی نے ان کو جاہل کہا۔ کسی نے جادوگر۔ کسی نے مذاق اڑایا اور کسی نے ایسی تہمتیں لگائیں جن سے وہ بری تھے مثلاً یہ کہ وہ زیارت قبور کو حرام بتاتے ہیں اور کرامات اولیاء کے منکر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اس بنا پر جہلاء جابجا شیخ کے مخالف ہو گئے اور ان کے متبعین کو ستانے لگے۔ شیخ نے مجبور ہو کر ۱۱۵۹ھ میں اپنے پیرؤوں کو بھی حکم دیا کہ جو لوگ افعال جاہلیت سے باز نہ آئیں اور اہل حق کی راہ میں حائل ہوں انسے مقابلہ اور مقاتلہ کرو۔

امیر نجد محمد بن سعود اور ان کے بھائیوں اور بیٹوں نیز دیگر موحدین نے بھی اب معاندین کے ساتھ مجاہدہ شروع کیا۔ دشمن بھی ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن ہر معرکہ میں شکست کھاتے رہے۔ بالآخر ایک مدت تک جنگ و جہاد کے بعد تقریباً کل جزیرۂ عرب پر امارت نجد کا تسلط قائم ہو گیا۔ اقطار نجد۔ احساء۔ عمان۔ تہامہ اور یمن سے ہر قسم کے رسوم شرکیہ اور بدعات محو اور قبروں کے قبے جنکو عوام نے درگاہ قرار دے رکھا تھا مسمار کر دئے گئے۔

حفاظتِ دین

شیخ نے اپنے خاص خاص شاگردوں کو جو صاحبان علم و تقویٰ و صلاح تھے جابجا اطراف میں بھیجدیا کہ وہ لوگوں کو صحیح دین کی تعلیم دیں اور اسوۂ رسولؐ اور طریقۂ صحابہ کے مطابق چلائیں۔ ان کی وجہ سے ہر جگہ علوم دینیہ کا رواج ہو گیا۔ کثرت سے علماء و فضلاء پیدا ہوئے اور علم و عمل کے ساتھ خالص توحید ملک میں پھیل گئی۔

خود شیخ کے پاس طلبہ کا اسقدر ہجوم رہتا تھا کہ وہ ان کے اخراجات سے ہمیشہ قرضدار رہتے تھے۔ چنانچہ جب الریاض فتح ہوا ہے اس وقت چالیس ہزار محمدی کے مقروض تھے جس کو وہاں کے مال غنیمت سے ادا کیا۔

درعیہ میں جسقدر بھی مال غنیمت آتا وہ سارے کا سارا شیخ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔ اور انھیں کے حکم کے مطابق وجوہ خیر میں صرف ہوتا امیر محمد بن سعود نیز اس کے بعد اس کا بیٹا عبد العزیز خود ان اموال میں کوئی تصرف نہیں کرتے تھے۔

تفرغ الی اللہ

جب تمام بلاد نجد و اطراف و ملحقات آل سعود کے قبضہ میں آگئے اور دعوت حق کا ہر جگہ ظہور اور غلبہ ہوگیا۔ اور تقریباً اکثر باشندوں نے شیخ کی تعلیمات کو قبول کر لیا اس وقت انھوں نے امور حکومت سے قطع تعلق کرکے ان کو کلیتاً امیر عبد العزیز کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور خود عبادت۔ تلاوت قرآن۔ تدریس و تعلیم تلامذہ و وعظ و تذکیر عباد اللہ اور تصنیف و تالیف کتب دینیہ میں مشغول ہوگئے۔ لیکن باوجود اس کے امیر موصوف ہمیشہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ہر ضروری امر میں ان سے مشورہ لیتا رہا۔

وفات

دینی علمی اور اخلاقی اصلاح اور مخلوق کی ایک مدت تک رہنمائی کرنے کے بعد ذیقعدہ سنہ ۱۲۰۶ھ میں جبکہ شیخ کی عمر ۹۲ سال کی تھی انھوں نے انتقال کیا۔ وفات سی پہلے اکثر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکریہ ادا کرتے رہتے تھے۔

ملک میں اس سرے سے اس سرے تک اس آفتاب علم و ہدایت کے ڈوب جانے پر رنج و غم کیا گیا اور شعراء و ادباء نے بڑے بڑے مرثیے لکھے۔

صفات

شیخ اپنے دینی صفات مثلاً زہد وعبادت ۔ تقویٰ وانابت ۔ صبر واستقامت اور علمی کمالات کے علاوہ عقل وفراست ورائے وتدبیر میں بھی بے نظیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہیبت اور عظمت ایسی عطا فرمائی تھی کہ جابر سے جابر رؤسار اور بڑے بڑے عقلار ان کے آگے جاکر چھوٹے اور بے حقیقت ہو جاتے تھے۔

اخلاقی لحاظ سے ان کی ذات عفت ۔ صدق اور اخلاص کا ایک ایسا پیکر تھی جسکو دیکھکر انسانی شرف کی حقیقت لوگوں کی سمجھ میں آتی تھی۔

ان کی ہدایت میں اللہ تعالیٰ نے فیض اور اثر ایسا رکھا تھا کہ جو ایک بار خدمت میں آگیا وہ پکا موحد ہی ہو کر گیا۔ تبعین انپر اس طرح فدا تھے جس طرح پروانے شمع پر علامہ آلوسی زادہ نے لکھا ہے۔

اہل نجد نے شیخ کی اطاعت اسی طرح کی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت صحابۂ کرام نے ۔ اہل علم میں سے آجتک قبولیت کا یہ رتبہ کسی کو حاصل نہ ہو سکا ۔ ان کی فرمانبرداری میں قوم کا انہماک عجائبات کرامات میں سے تھا۔ آج بھی وہ نجد میں ائمہ اربعہ کی طرح ایک امام مانے جاتے ہیں ۔ اگر کوئی بے ادبی کے ساتھ ان کا نام وہاں لے تو قتل کر دیا جائے۔

اولاد

شیخ نے علاوہ ہزاروں شاگردوں کے جو علمار فحول تھے اپنی اولاد میں سے بھی بڑے بڑے اہل علم چھوڑے جو بالکل انھیں کے طریقہ کے مطابق ہدیٰ رسول کے متبع اور نشر علوم دینیہ میں مشغول تھے ۔ ان کے چار بیٹے تھے حسین ۔ عبداللہ ۔ علی اور ابراہیم

سب کے سب علوم شرعیہ میں کامل اور فنون ادبیہ میں ماہر تھے اور ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ مجلس درس قائم تھی جنہیں اہل درعیہ اور آفاقی طلبہ کثرت سے شریک رہتے تھے شیخ اور ان کی اولاد کی بدولت درعیہ طلاب علوم کا مرجع بن گیا تھا اور وہاں ان کی تعداد دس ہزار سے کم نہ تھی جنمیں نجد کے علاوہ احسار۔ قطیف۔ عمان۔ بحرین۔ یمن۔ زبید وغیرہ ہر جگہ کے طلبہ شامل تھے۔

علامہ حسین ذہن وذکا میں ممتاز تھے۔ شیخ کے بعد درعیہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ ان کے بھی متعدد بیٹے تھے علی۔ حمد۔ حسن۔ عبدالرحمٰن و عبدالملک جو سب کے سب صاحب علم وفضل تھے اور بجز حمد کے جو طالب علمی ہی میں وفات پا گئے ہر ایک کسی نہ کسی ناحیہ کا قاضی تھا۔ خاصکر عبدالرحمٰن کہ وہ امیر ترکی کے عہد میں الریاض کے قاضی اور شیخ الشیوخ تھے۔

شیخ کے دوسرے بیٹے عبداللہ علمار مصنفین میں سے تھے۔ اصول وفروع پر متعدد کتابیں لکھیں۔ یہ بھی درعیہ کے قاضی ہو گئے تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے سلیمان۔ علی اور عبدالرحمٰن جو سب کے سب نامی گرامی علمار ہوئے۔ سلیمان خصوصیت کے ساتھ ذہن وذکا میں ممتاز تھے۔ علی بھی فنون حدیث واسناد ورجال میں ماہر تھے۔ انہوں نے شیخ کی کتاب التوحید کی شرح[1] لکھی ہے۔ ابراہیم پاشا نے اپنے تسلط کے زمانہ میں انکو پکڑ کر ظلماً قتل کر ڈالا۔

شیخ کے تیسرے بیٹے علی درعیہ میں اپنے زہد وورع اور معرفت تفسیر وحدیث میں ضرب المثل تھے۔ امارت کی طرف سے قضا کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن انکار کیا انکا ایک بیٹا محمد بڑا نامی عالم ہوا۔ شیخ کے چوتھے بیٹے ابراہیم مشہور صاحب درس تھے۔ قضا کو علمی خدمت کے مقابلہ

[1] اس کا نام فتح المجید فی شرح کتاب التوحید ہے۔ ۱۳۱۱ ہجری میں مطبع انصاری دہلی میں چھپی تھی۔

میں قبول نہ کیا۔ بہت سے لوگوں نے ان سے علوم حدیث وتفسیر کی تکمیل کی۔

الغرض شیخ کی اولاد میں علم وفضل و زہد وتقوے آجتک بدستور قائم ہے اور گو نجد میں اہل علم کی کثرت ہے لیکن ریاست علم انھیں پر منتہی ہوتی ہے اور کسی مسائہ میں انکی مہر آخری مہر مانی جاتی ہے۔

اِس عہد کے علامہ نجد محمد بن عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن بن حسین بن شیخ محمد بن عبد الوہاب ہیں جو ۱۳۳۹ھ میں سلطان نجد کے حکم سے اہل حرم کی تعلیم کے لئے آئے تھے۔

تصانیف

شیخ کا طریق علمی محدثانہ تھا جو محرک عمل ہوتا ہے نہ کہ متکلمانہ جسکو بڑے بڑے حکماء اسلام نے خود بے نتیجہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس سے سوائے نظری اور لفظی بحثوں کے اور کسی کام کا آدمی نہیں رہجاتا۔

یہی روش ان کے شاگردوں کی آجتک چلی آتی ہے وہ علامہ ابن تیمیہ کو اسلام کا سب سے بڑا عالم اور امام الدنیا مانتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ امام احمد بن حنبل رح کے بعد ان کے رتبہ کا کوئی شخص امت میں نہیں ہے۔ نیز ان کے شاگردوں ابن القیم وغیرہ کی کتب سے بھی بہت ذوق رکھتے تھے۔

شیخ کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:۔

لہ یعنی شیخ الاسلام تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن تیمیۃ الحرانی جنکی تصانیف کے انبار کے انبار شائع ہو چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کا صحیح ترجمان اور حدیث کا معتبر شارح انسے بڑھکر آج تک کوئی مسلمانوں کو نصیب نہ ہوا انہوں نے عیسائیت۔ شیعیت۔ نصیریت اور دہریت وغیرہ کی براہین ساطعہ سے تردید کی فلسفیوں صوفیوں اور متکلموں کی غلطیاں نمایاں کیں۔ یونانی منطق کا رد لکھا اور ان تمام توہمات۔ شرکیات وبدعات کو جو مسلمانوں میں رائج ہو گئی تھیں آشکارا کرکے ان کا ابطال کیا۔ غازی ومجاہد بھی تھے اور سیف وزبان قلم تینوں کے بادشاہ ۷۲۸ھ میں وفات پائی۔

کتاب التوحید - یہ کتاب توحید کی حقیقت اور حقوق اللہ کی معرفت میں بے نظیر ہے ایک مدت ہوئی شیخ کے دیگر رسائل الکبائر و اصول الایمان وغیرہ کے ساتھ ایک مجموعہ میں دہلی میں چھاپی گئی تھی۔[1] سال گذشتہ یہی مجموعہ بحکم سلطان نجد دوبارہ مکہ مکرمہ میں طبع ہوا ہے اور اس سال وہ الگ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مصر سے چھپ کر شائع کیگئی ہے۔[2]

نجد کے متعدد علماء اور نیز دیگر اہل علم نے اسکی شرحیں لکھی ہیں۔

کتاب الکبائر - کشف الشبہات - الانصاف - معرفۃ العبد ربہ و دینہ و نبیہ - الامر بالمعروف والنہی عن المنکر - معنے الکلمۃ الطیبۃ - اصول الایمان - مفید المستفید - آداب المشی الی الصلوٰۃ - یہ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب الاقناع کے ایک باب کا خلاصہ ہے - تفسیر سورۃ الفاتحہ - تفسیر آیات من القرآن - اس میں آیات قرآن سے مسائل مستنبط کرکے دکھائے ہیں - صرف ایک موسیٰ و خضر علیہم السلام کے قصہ سے ایک سو سے زیادہ مسئلے نکالے ہیں - مجموع الحدیث علی ابواب الفقہ - مختصر الشرح الکبیر - نیز ابن ہشام کی سیرت - ابن القیم کی زاد المعاد اور ابن تیمیہ کے فتاوے کے بھی خلاصے کئے ہیں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ان امور کا بیان ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جاہلیت کی مخالفت کی تھی - یہ سو کے قریب ہیں - یہ رسالہ مدت ہوئی ہندوستان میں چھپا تھا - علامہ آلوسی زادہ بغدادی نے اسکی ایک نہایت مفید شرح لکھی ہے -

ان کتب کے علاوہ علماء دیار اور معترضین کے جوابات نیز خاص خاص مسائل میں کثیر التعداد رسائل ہیں جنہیں سے اکثر علامہ ابن غنام نے اپنی تاریخ میں نقل کئے ہیں -

---

[1] اسی زمانہ میں مولوی عبد الحلیم صاحب شرر نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جو اصل کیساتھ چھاپا گیا تھا۔
[2] یہ اشاعت مولوی شرف الدین صاحب کتبی ۹ بھنڈی بازار بمبئی کی طرف سے ہوئی۔

شیخ کی یہ تمام کتابیں عملی دینی زندگی اور اتباع سنت کی روح پیدا کرنیوالی ہیں۔ ان میں سے بعض مختصر رسائل ایسے ہیں جنکو نجد کا ہر فرد ازبر رکھتا ہے اور بعض درس میں داخل ہیں۔

دعوتِ شیخ

اسلام جو دین الٰہی ہے۔ اس کا اصل الاصول توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ازل میں اسی کا عہد آدمؑ کی ذریت سے لیا ہے۔ اور اسی کو انسان کا فطرتی دین قرار دیا ہے اس نے جس قدر نبی اور پیغمبر دنیا میں بھیجے یا کتابیں اتاریں ان سب کی تعلیم یہی تھی کہ اللہ واحد ہے۔ وہی اکیلا تمہارا رب ہے۔ اسی کی عبادت کرو اور کسیکو اس کا شریک نہ بناؤ۔ رسول اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید نے بھی یہی سکھایا اور تصریح کے ساتھ تبلادیا کہ توحید ہی دین کی اصل بنیاد ہے۔ بلا اس کے کوئی عمل خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو قبول نہیں ہو سکتا اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے جو کبھی معاف نہیں کیا جائیگا۔

آغاز عہد اسلام میں دعوت توحید نے عالم میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ مدتوں کی گمراہ اور مشرک قومیں اس کے نور سے منور ہو کر صراط مستقیم پر آگئیں اور انسانیت کے مفہوم سے آشنا ہو گئیں لیکن جب چند صدیاں گذر گئیں تو زمانہ کے اثرات۔ رسم و رواج کی تقلید اور علم دین سے بُعد و جہالت کے باعث پھر ان کے اوپر شیطان نے تسلط جما لیا اور رفتہ رفتہ دین کی اسی اصل بنیاد یعنی توحید کی عقیدت سے گمراہ کر کے ان کو شرک میں مبتلا کر دیا۔

نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن خانہ کعبہ سے بتوں کو نکلوا کر پھینک دیا اس دن شیطان اس سے تو مایوس ہوگیا کہ ان کی امت سے بت پوجا سکیگا لیکن جیسا کہ اس نے حضور باری میں کہا تھا کہ "میں ان کے آگے سے آؤنگا۔ پیچھے سے آؤنگا۔ دائیں سے آؤں گا۔ بائیں سے آؤں گا اور اکثروں کو کافر بنا کر چھوڑوں گا" وہ مسلمانوں کی قلوب میں دوسرے راستہ سے آیا یعنی شخص پرستی کے جذبہ کو ہیجان میں لاکر بزرگوں کی بزرگانہ تعظیم کے بجائے معبودانہ عظمت ان کے دلوں میں قائم کردی اور پرستش کے لئے ان کی قبروں پر ان کے سر جھکا دئے۔

یہ فتنہ ایسا عام ہوا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گیا یہاں تک کہ نہ مصر بچا نہ شام نہ عرب۔ بلکہ خود حرم پاک میں جو توحید کا مرکز اور ہدایت کا منبع تھا سیکڑوں قبریں پجنے لگیں۔

ہر جگہ لوگوں نے جہالت سے صلحاء اور اولیاء کے مزارات کو اپنے خوف و امید کا مرجع قرار دیا اور ان کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ بنا لیا۔ ان کے ساتھ معبودانہ عقیدت قائم کی اور ان کے نام پر نذریں۔ ذبیحے اور چڑھاوے چڑھانے لگے۔ حاجات و مہمات میں ان سے نصرت و امداد کی دعائیں مانگنے اور کشف شدائد و حل مشکلات کے لئے ان کو پکارنے لگے۔ اور ایسے ایسے مشرکانہ مراسم اختیار کئے جو زمانۂ جاہلیت کی شرکیہ رسوم سے کسی طرح کم نہیں۔

صرف قبور و مزارات ہی نہیں بلکہ بزرگان دین کی طرف ہزاروں اشجار۔ احجار و مقامات کو منسوب کرکے متبرک و مقدس قرار دے لیا اور ان سے برکت و دفع بلیات و شفائے امراض کی امیدیں رکھنے لگے۔

لاریب ہر زمانہ میں اہل حق اور ارباب بصر کی بھی ایک جماعت متفرق طور پر مختلف ممالک میں موجود رہی جو توحید و کتاب و سنت پر پختگی کے ساتھ قائم اور اسی کی رہنمائی کرتی اور اپنا ایک حلقہ اثر بھی رکھتی تھی لیکن اس کی تعداد اور قوت اس قدر نہ تھی کہ وہ اس بلائے عام کو دفع یا کوئی بڑی اصلاح کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ شرک امت میں دن بدن بڑھتا چلا گیا تاآنکہ وہ قوم جو دین حق کی حامی اور امانت توحید کی حامل ہونے کی دعویدار تھی مغضوب و معتوب ہو کر نہ صرف ان تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں اور برکتوں سے محروم کر دی گئی جو سلف صالح کو عطا ہوئی تھیں بلکہ اکثر اقطار عالم میں غیروں کی محکومیت اور مرعوبیت[1] کے عذاب عامہ میں ڈالدی گئی۔

قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر کے بعد سے جو لوگ وقتاً فوقتاً امت کی اصلاح عام کا دعویٰ لے کر اُٹھے بدقسمتی سے ان میں مندرجہ ذیل دو خرابیوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور رہی۔

(۱) اکثر نبی۔ امام۔ مہدی یا مجدد کے لقب سے کھڑے ہوئے یعنی انہوں نے اپنے ذاتی تشخص کو آگے رکھا۔ ان میں سے بعض صحیح حدیث کی پیشنگوئیوں کے مطابق کاذب تھے اور بعض فریب نفس میں مبتلا۔ جو غلط فہمی سے اپنے آپ کو کسی منصب پر منجانب اللہ مامور سمجھنے لگے تھے۔

(۲) بعض لوگ خاص خاص خیالات کو جو فلسفہ یا تصوف یا ماحول کے اثرات سے ان میں پیدا ہو گئے تھے صحیح سمجھکر شائع کرنے لگے۔ انہوں نے اپنا ایک جدید فرقہ کھڑا کر لیا۔

---

(۱) آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو جو خلافت ارضی دینے کا وعدہ فرمایا ہے اس میں شرط یہ ہے کہ یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا۔ کیونکہ شرک کا لازمی نتیجہ ہے مرعوبیت جو محکومیت کا پیش خیمہ ہے جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے۔ سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا۔

اور امت میں مزید تفریق کے باعث ہوئے۔ ان سب کے برخلاف شیخ نے غائر نظر سے امت کی حالت دیکھی۔ اسلام کی حقیقت سمجھی اور خلوص و دلسوزی کے ساتھ اس کی اصلاح کے لئے اٹھے نہ امام کا لقب اختیار کیا نہ مہدی کا۔ نہ تجدید کا دعویٰ کیا نہ اجتہاد کا۔ بلکہ اپنی ذات کو بالکل الگ رکھکر صرف اتباع کتاب وسنت کی تلقین کی۔ یہانتک کہ یہ بھی نہیں کہا کہ ان کو میرے بیان کے مطابق مانو بلکہ صحابۂ کرام۔ ائمۂ دین اور علماء متقدمین کی شرح و تفسیر سے ان کے مطالب سمجھو اور سلف صالح کا جو طریق تھا اسی پر چلو۔

یہ ان کے خلوص کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور ایک ملک کا ملک ان کی رہنمائی سے کتاب وسنت کا تابع اور شرک و بدعت سے پاک ہو گیا۔ اور ایسی زبردست جماعت تیار ہو گئی جس سے نہ صرف عرب میں توحید کا منارہ بلند ہوا بلکہ اس کی روشنی دور دور تک پھیلی۔

حقیقت یہ ہے کہ غربت اسلام کے بعد سے آجتک کسی عہد اور کسی ملک میں مسلمانوں کی اتنی بڑی اور ایسی کامیاب اصلاح نہیں ہوئی۔

امریکہ کا نامور مورخ و ماہر سیاسیات ڈاکٹر اسٹاڈرڈ لاتھرپ اپنی مشہور کتاب "نیو ورلڈ آف اسلام"[۱] میں لکھتا ہے:۔

اٹھارویں صدی تک اسلامی دنیا اپنے ضعف کی انتہا کو پہونچ چکی تھی۔ صحیح قوت کے آثار کہیں بھی نہیں پائے جاتے تھے۔ جہاں دیکھو جمود و تنزل نمایاں تھا۔ آداب و اخلاق

---

[۱] اس کتاب کا ترجمہ اردو میں محمد جمیل الدین صاحب بدایونی ڈپٹی کلکٹر نے کیا ہے اور عربی میں عجاج نویہض نے جو قاہرہ سے ۱۳۴۳ھ میں امیر شکیب ارسلان کے مفصل حواشی کے ساتھ دو جلدوں میں شائع ہوا ہے اسکا نام ہے حاضر العالم الاسلامی۔ امیر موصوف نے دوسری جلد میں وہابیہ کی مختصر تاریخ درج کی ہے۔

قابلِ نفرت تھی۔ عربی تہذیب کے آخری آثار مفقود ہو کر ایک قلیل تعداد وحشیانہ عشرت میں اور عوام وحشیانہ ذلت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ تعلیم مردہ ہو گئی تھی اور جو چند درسگاہیں اس ہولناک زوال میں باقی رہ گئی تھیں وہ افلاس کی وجہ سے دم توڑ رہی تھیں۔

سلطنتیں مطلق العنان تھیں اور ان میں بدنظمی و خونریزی کا دور تھا۔ جگہ جگہ کوئی بڑا خود مختار جیسے سلطان ترکی یا شاہانِ مغلیہ کچھ شاہی شان قائم کئے ہوئے تھے اگرچہ انہیں بھی صوبہ جات کے امراء اپنے آقاؤں کی طرح آزاد سلطنتیں جو ظلم و استحصال بالجبر پر مبنی تھیں قائم کرنے کے ہمیشہ کوشاں تھے۔ اسی طرح امراء متواتر سرکش مقامی رئیسوں اور راہزنوں کی جماعت کے خلاف جو ملک کو آزار پہونچاتے تھے برسرِ پیکار تھے۔

اس منحوس طرزِ حکومت میں رعایا لوٹ مار و ظلم و پامالی سے نالاں تھی۔ دیہاتیوں اور شہریوں میں محنت کے محرکات مفقود ہو گئے تھے اس وجہ سے تجارت اور زراعت دونوں اس قدر کم ہو گئی تھیں کہ محض سدِ رمق کے لئے کی جاتی تھیں۔

مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا۔ تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا۔ مسجدیں ویران و سنسان پڑی تھیں عوام جہال ان سے بھاگتے تھے اور تعویذ۔ گنڈے اور مالائیں بھنگڑ گندے فقراء اور دیوانے درویشوں سے اعتقاد رکھتے تھے اور بزرگوں کے مزارات پر زیارت کو جاتے تھے جنکی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع اور مقرب کے طور پر کیجاتی تھی کیونکہ ان جہال کا خیال تھا کہ خدا الیسا برتر ہے کہ وہ اس کی طاعتیں بلا واسطے نہیں ادا

کرسکتے ہیں۔

قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم کو نہ صرف پس پشت ڈال رکھا تھا بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی۔ افیون وشراب خواری عام ہو رہی تھی۔ زناکاری کا زور تھا اور ذلیل ترین اعمال قبیحہ کھلم کھلا بے حیائی کے ساتھ کئے جاتے تھے۔ یہانتک کہ مقامات مقدسہ یعنی مکہ ومدینہ بھی افعال قبیحہ کے قعر مذلت بن گئے تھے۔ اور حج جسکو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، نے فرائض میں تعلیم کیا تھا بدعات کی وجہ سے حقیر ہو گیا تھا۔ الغرض اسلام کی جان نکل چکی تھی اور محض بے روح رسمیات اور مبتذل توہمات کے سوا کچھ نہ رہا تھا اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، پھر دنیا میں آتے تو وہ اپنے پیروؤں کے ارتداد اور شرک سے بیزاری کا اظہار فرماتے۔

اس جہالت کے زمانے میں وسیع عربی ریگستان یعنی مہد اسلام سے مومنین کو صراط مستقیم کی طرف دعوت دینے والی صدا پیدا ہوئی۔ اس مخلص مصلح یعنی محمد بن عبدالوہاب نے الیسا نور ہدایت روشن کیا جو اسلامی دنیا کے ہر گوشہ میں پھیل گیا اور اسلام کو خواب غفلت سے بیدار کر کے قرون اولیٰ کے جوش کو تازہ کر دیا۔

مسلمانوں کی اہم نشأۃ جدیدہ کا یہیں سے آغاز ہو گیا۔

چونکہ یہ تحریک مرکز اسلام یعنی سرزمین عرب میں ہے جہاں اطراف واکناف عالم سے ہر سال حج وزیارت کے لئے مسلمانوں کے قافلے کے قافلے آتے ہیں اس لئے کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ہدایت کو دیگر اسلامی ممالک میں بھی عام کر دے۔

بے شک ہم نجدیوں کی عصبیت۔ قسوۃ اور شدت کی داستانیں بھی سنتے ہیں لیکن یہ امور ہر نشأۃ جدیدہ کے لوازم میں سے ہیں۔

تعلیماتِ شیخ

محمد بن عبدالوہاب نے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اپنی طرف سے کوئی جدید تعلیم نہیں دی بلکہ صرف توحید خالص اور اتباع کتاب وسنت کی تلقین کی۔ عقائد واعمال میں ان کی ہدایت تمامتر وہی ہے جو سلف صالح یا دوسرے لفظوں میں ائمہ سنت وجماعت کی ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے خود ان کی بہت سی تصنیفات نیز ان کے شاگردوں اور نجد کے عالموں کی کتابیں موجود ہیں[۱]۔ اس تاریخ میں اس کی گنجائش نہیں ہے لیکن تاہم ان کے دو خطوط[۲] کا خلاصہ ہم درج کر دیتے ہیں تاکہ ناظرین پر مختصراً انکی تعلیمات واضح ہو جائیں۔

پہلا خط اس عہد کے ممتاز عالم عراق عبدالرحمٰن بن عبداللہ سویدی بغدادی کے نام ہے جنہوں نے شیخ کے متعلق طرح طرح کی افواہیں سنکر بذریعہ خط کے ان سے اصل حقیقت دریافت کی تھی۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔

بحمداللہ میں متبع سلف ہوں نہ کہ مبتدع۔ میرا دین وہی ہے جو اہل سنت وجماعت یعنی سلف صالح مثلاً ائمہ اربعہ اور ان کے تابعین کا تھا۔ میں نے لوگوں کو توحید کی

---

[۱] سنہ ۱۳۴۲ھ میں سلطان نجد کے حکم سے ایک کتاب الہدیۃ السنیہ مولفہ سلیمان بن سحمان عقائد وہابیہ کی تصریح کے لئے مصر سے چھپوا کر شائع کیگئی ہے۔ اس میں پانچ رسائل شامل ہیں جن میں نجدیوں کے عقائد بیان کئے گئے ہیں۔ اور دو نظمیں بھی ہیں جنمیں یہی مضامین ہیں۔ علامہ آلوسی زادہ نے بھی تاریخ نجد میں اس بیان کو تفصیلی بحث کے ساتھ لکھا ہے۔

[۲] یہ خطوط ابن غنام اور ابن بشر دونوں کی تاریخوں میں ہیں۔

تعلیم دی۔ اولیاء وصلحاء مدفون کے پکارنے اور ان سے امداد مانگنے کو منع کیا۔ ان کی قبروں پر نذر ونیاز چڑھانے اور سجدہ وغیرہ کرنے سے روکا کیونکہ یہ سب حقوق اللہ کے ہیں جو نہ کسی نبی مرسل کو حاصل ہیں نہ کسی فرشتۂ مقرب کو۔

یہی وہ تعلیم ہے جو تمام انبیاء اول سے آخر تک دیتے چلے آئے اور اسی پر اہل سنت وجماعت قائم ہیں۔ سب سے پہلے اس امت میں جس فرقہ نے شرک داخل کیا وہ روافض ہیں جنہوں نے حضرت علی کو حل مشکلات میں پکارنا شروع کیا۔

میں جس بستی میں ہوں یہاں کے لوگ میری بات مانتے ہیں۔ بعض رؤسا کو یہ امر ناگوار ہے۔ میں نے اپنے متبعین پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ نماز باجماعت پڑھیں زکوٰۃ وغیرہ فرائض ادا کریں۔ منہیات ومنکرات۔ ریاکاری وشراب خواری وغیرہ سے بچیں۔ چونکہ یہ باتیں ہر شخص کے نزدیک پسندیدہ ہیں اس لئے ان پر تو وہ رؤسا کچھ نہ کہہ سکے لیکن میری توحید کی تعلیم کو انہوں نے عوام کی نگاہ میں غلط دکھانے کی کوشش کی اور طرح طرح کی افترائیں تراشیں جنکو عوام میں پھیلا کر مجھے بدنام کرنے لگے۔

منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے جو آپ نے اپنے خط میں لکھی ہے کہ میں سوائے اپنے متبعین کے سب کو کافر کہتا ہوں اور انکے نکاحوں کو صحیح نہیں سمجھتا۔

تعجب ہے کہ کیونکر کسی عاقل کے دماغ میں یہ بات سما سکتی ہے کہ کوئی مسلمان ایسا کہے گا۔ میں اس قول سے اللہ کو شاہد گردان کر اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں۔ یہ تو وہی کہے گا جسکی عقل مختل ہو۔ اہل غرض سے اللہ کی پناہ۔

ایسی ہی ان لوگوں نے مجھپر یہ تہمت لگائی کہ میں کہتا ہوں کہ اگر مجھکو قدرت ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کے قبہ کو گرا دیتا۔

دلائل الخیرات کا جلانا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے منع کرنا بھی میری طرف منسوب کرنا خواہ کسی لفظ میں ہو سراسر کذب وبہتان ہے۔

لیکن باوجود ان کی ان تمام تہمتوں اور افترا پردازیوں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر سختیوں کے کتاب اللہ اور تعلیمات نبویہ پر ایمان رکھنے اور ان کی نصرۃ وحمایت کرنے سے مسلمان کو چارہ نہیں کیونکہ یہ عہد الٰہی ہے جو فریضہ ہے اور کسی طرح ترک نہیں کیا جا سکتا۔

تکفیر کی بابت جو آپ نے ذکر کیا ہے تو میں صرف اس شخص کو کافر سمجھتا ہوں جو جان بوجھکر دین حق سے روگرداں ہو جائے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرے یا ان کی تعلیمات کی طرف آنے سے لوگوں کو روکے۔ یہی لوگ میرے نزدیک کافر ہیں لیکن امت کا بڑا حصہ بحمد اللہ ایسا نہیں ہے۔

ہم نے جو مقاتلہ کیا ہے وہ اپنی جان وآبرو کی حفاظت ومدافعت میں کیا ہے اگر کوئی ہم سے لڑتا ہے تو "جزاؤ سیئۃ سیئۃ مثلہا" کے مطابق ہم بھی اس سے جنگ جائز سمجھتے ہیں[ا]۔

دوسرا خط علماء قصیم[۲] کے نام ہے۔ ان لوگوں نے شیخ سے ان کے عقائد کی تصریح چاہی تھی ان کے جواب میں لکھتے ہیں:

میں اللہ کو شاہد قرار دے کر کہتا ہوں کہ میرا وہی عقیدہ ہے جو فرقہ ناجیہ اہل

ا علماء نجد کی تصریحات ہیں کہ ہم اپنی طرف سے جنگ کی ابتداء نہیں جائز رکھتے مگر جب کوئی لڑتا ہے تو مدافعت کے لئے مقاتلہ کو روا سمجھتے ہیں۔

۲ ایک شخص ابن سحیم نجدی نے ایک رسالہ میں بہت سے اباطیل اور افتراآت شیخ کے متعلق شائع کئے تھے۔ علماء قصیم نے اسی کو دیکھکر شیخ کو لکھا تھا۔

سنت و جماعت کا ہے یعنی اللہ۔ ملائکہ۔ کتب۔ رسل۔ بعث بعد الموت اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہوں۔ صفات الٰہیہ کو بلا تحریف و تعطیل کے اسی طرح مانتا ہوں جسطرح وہ کتاب و سنت میں بیان کی گئی ہیں۔ نہ ان کی نفی کرتا ہوں نہ ان کے الفاظ میں تحریف اور نہ ان کو مخلوق کی صفات سے تشبیہہ دیتا ہوں۔

قرآن کی نسبت میرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ کلام الٰہی غیر مخلوق ہے جسکو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔

میرا ایمان ہے کہ مشیت اور تقدیر سے عالم کی کوئی شے خارج نہیں ہے اور تمام امور بتدبیر الٰہی صادر ہوئے ہیں اور کوئی اس کی تقدیر کے حدود سے تجاوز نہیں کرسکتا

موت کے بعد جن امور کی خبر مخبر صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے یعنی عذاب و ثواب قبر۔ اعادۂ ارواح۔ نشر و حشر۔ جنت و دوزخ وغیرہ ان سب کو برحق جانتا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر ایمان رکھتا ہوں کہ وہی اولین شافع ہونگے۔ اور اس کے منکر کو گمراہ و بدعتی سمجھتا ہوں لیکن یہ شفاعت بعد اذن و رضاے الٰہی ہوگی۔ اور کوئی شفاعت مشرکین کے کام نہ آئیگی۔

اس بات کا بھی قائل ہوں کہ مومنین کو اپنے رب کا دیدار آخرت میں میسر ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتا ہوں اور کسی شخص کو اس وقت تک مومن نہیں سمجھتا جبتک کہ ان کی رسالت پر ایمان نہ لائے۔

اس امت میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق پھر عمر فاروق پھر عثمان ذی النورین پھر علی مرتضیٰ پھر بقیہ عشرۂ مبشرہ رضوان اللہ علیہم کو سمجھتا ہوں۔ ان کے بعد

اہل بدر اور پھر تمام صحابہ کو۔ جملہ اصحاب رسول سے تولا رکھتا ہوں۔ ان کے محاسن کو بیان کرتا ہوں۔ مشاجرات سے باز رہتا ہوں اور ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگتا ہوں اولیا اللہ کی کرامات اور ان کے مکاشفات کا قائل ہوں لیکن معبودیت کے کسی حق کا ان کو مستحق نہیں سمجھتا۔ نہ کسی مسلمان کے لئے جنتی ہونے کا حکم لگاتا ہوں نہ دوزخی ہونے کا ہاں نیکوکار کے لئے امید نجات رکھتا ہوں اور بدکار کے لئے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتا اور نہ اس کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں جہاد و نماز جماعت ہر ایک امام کے پیچھے خواہ نیک ہو یا بد میرے نزدیک جائز ہے اور جہاد مقاتلۂ دجال تک مستمر اور بدستور مفروض۔ ائمہ مسلمین کی اطاعت کو امت کے لئے واجب سمجھتا ہوں جبتک کہ وہ کسی معصیت کا حکم نہ دیں۔

جو شخص خلافت کا متولی ہو جائے خواہ بزور شمشیر ہی کیوں نہ ہو اور لوگ اس کے ساتھ مجتمع ہو کر اس کی خلافت پر راضی ہو جائیں تو وہ خلیفہ ہے اور اس کی اطاعت واجب ہے،

اہل بدعت سے قطع تعلق کو پسند کرتا ہوں یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں۔

میں تصدیق و اقرار و عمل تینوں کو ایمان کا جزو مانتا ہوں اور اس میں اطاعت سے زیادتی اور معصیت سے کمی ہو جانے کا قائل ہوں۔ ایمان کے ستر اور چند شعبے ہیں جن میں سب سے بڑھکر شہادت توحید اور سب سے کمتر راستہ سے تکلیف کی چیز کو ہٹا دینا ہے اور حسب توجیہ شریعت مطہرہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب سمجھتا ہوں۔

ابن سحیم نے میرے اوپر جو الزامات لگائے ہیں مثلاً یہ کہ میں مذاہب اربعہ کی کتب کو باطل سمجھتا ہوں یا یہ کہ چھ سو برس سے امت اسلامیہ میرے نزدیک گمراہی میں ہے۔ یا میں مجتہد یا تقلید سے خارج ہوں۔ یا علماء کے اختلاف کو بجائے رحمت کے نقمت کہتا

ہوں۔ یا جو لوگ صالحین سے توسل کریں ان کو یا بصیری (صاحب قصیدہ بردہ) کو "یا اکرام الخلق" والے شعر کی وجہ سے کافر سمجھتا ہوں۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر یا اولاد کے لئے والدین کی قبروں کی زیارت کو حرام جانتا ہوں۔ یا غیر اللہ کے نام کی قسم کھانیوالے یا ابن الفارض اور ابن عربی کو کافر قرار دیتا ہوں۔ یا دلائل الخیرات کو جلا دیتا ہوں اور روض الریاحین کو روض الشیاطین کہتا ہوں۔ ان سب کا جواب صرف یہ ہے کہ "سبحانک ھذا بھتان عظیم"۔

رہی یہ بات کہ میں کہتا ہوں کہ کسی شخص کا اسلام کامل نہیں ہو سکتا جبتک کہ وہ کلمہ طیبہ کے معنی نہ سمجھے یا تقرب لغیر اللہ کے لئے نذر ماننا کفر اور ذبیحہ حرام ہے۔ یہ مسائل حق ہیں۔ میں ان کا قائل ہوں اور ان پر کتاب وسنت سے پختہ دلائل رکھتا ہوں[۲] جنکو کسی فرصت میں انشاء اللہ بسط کے ساتھ لکھوں گا[۳]۔

خلاصہ

مسلمانوں میں سب سے بڑا فتنہ جو برپا ہوا وہ گور پرستی ہے کیونکہ یہ دین کے اصل الاصول یعنی توحید کے منافی ہے۔ نجدی دعوت کا اہم عنصر اسی فتنہ کے خلاف جہاد ہے۔

شیخ نے بتایا کہ کتاب وسنت کی تصریحات کے مطابق تمام انبیاء اور اولیاء ہر قسم کے صفات الوہیت۔ ربوبیت اور معبودیت سے خالی ہیں۔ ان کو متصرف سمجھنا شدائد میں

---

[۱] اس کتاب میں صوفیانہ توہمات اور بعض مشرکانہ تعلیمات ہیں اسوجہ سے اہل نجد اسکو ناپسند کرتے ہیں۔

[۲] چنانچہ یہ وعدہ شیخ نے پورا کیا اور ایک دوسرے مکتوب میں جسکو ابن غنام نے تمامہ نقل کیا ہے وہ سارے دلائل لکھدئے

[۳] اس مکتوب میں توسل سے مراد صرف دعا میں واسطہ دینے کے ہیں جیسے "خدایا بحق بنی فاطمہ" کہ اس کو بعض علماء نے جائز قرار دیا ہے اور ایسا شخص کافر نہیں کہا جا سکتا۔ ورنہ کسی مردہ کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنا کر اس کے ذریعہ سے تقرب حاصل کرنا شیخ کی تصریحات کے مطابق شرک جلی ہے۔

پکارنا۔ مصائب میں ان سے امداد طلب کرنا۔ دعائیں مانگنا اور ان کی تعلیمات کو چھوڑ کر ان کی ذات کو تقرب الی اللہ کا وسیلہ بنا لینا شرک اکبر ہے۔

ان کی قبروں پر گنبد یا عمارت بنانا یا ان کو پختہ کرنا شریعت میں حرام ہے اور برکت یا تقرب کی غرض سے ان کے لئے شد رحال ممنوع۔ نیز ان پر چراغ جلانا۔ چادر یا پھول یا ذبیحہ چڑھانا شرکیہ اعمال ہیں۔

عوام اور بعض خواص بھی چونکہ ابا عن جد ان رسوم سے خوگر چلے آتے تھے اسوجہ سے مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ بالخصوص وہ جنکی معیشت کا دارومدار اسی شرک پر تھا اور جو اولیا اللہ کے مجاور ہونے کی حیثیت سے ایک قسم کے مذہبی پیشوا ہونے کے دعویدار تھے سخت دشمن بن گئے کیونکہ ان سے ان کی روزی اور آبرو سب کچھ ماری جاتی تھی۔ ان مخالفین نے شیخ کی تعلیمات پر ردوقدح شروع کی جسکا سلسلہ ابتک جاری ہے۔

معترضین

پہلے خود شیخ کے بھائی سلیمان نے رد لکھا لیکن آخر میں وہ تائب ہوگئے۔ پھر مفتی مکہ سید احمد زینی دحلان نے شریف مکہ کے اشارے سے جو نجدیوں کا دشمن تھا بلا تحقیق تردید میں چند رسائل لکھے جنکے جوابات علماء نجد نے دیئے اور ان کی غلطیوں بلکہ مغالطوں کو آشکارا کیا۔

عراق کا ایک شخص داؤد بن سلیمان بن جرجیس جو ایک مدت تک نجد میں رہا تھا اور علامہ شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے علوم پڑھے تھے بعض وجوہ سے عراق میں آکر مخالف بن گیا اور ردود رسالے اہل نجد کے خلاف لکھے جنکے جواب شیخ مذکور نے رسالے تاسیس التقدیس اور الانتصار کے نام سے دیئے۔ پھر اس نے بڑی دھوم کے ساتھ اپنی کتاب صلح الاخوان

شائع کی۔ اس کے جواب میں علامہ عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسین بن شیخ محمد بن عبدالوہاب نے منہاج التاسیس اور بغداد کے بھی ایک ممتاز اہل علم نے منہاج کے تتمہ کے طور پر فتح المنان لکھی۔ یہ سب کتابیں بمبئی میں طبع ہوئیں۔

عراقی کے رسالہ میں تین اعتراضات خاص طور پر اہم تھے :-

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن اور شام کے لئے برکت کی دعا فرمائی لیکن باوجود صحابہ کے تین بار نجد کا نام لینے کے بھی اس کے لئے دعا نہ کی بلکہ فرمایا کہ وہاں زلزلے اور فتنے ہونگے۔

اس کے دو جواب دیئے گئے ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔

الزامی جواب یہ ہے کہ مقامات کی فضیلت بلحاظ باشندوں کے ہوتی ہے۔ جہاں کے لوگ علم دین رکھتے ہوں اور شرع کے پابند ہوں وہ جگہ بہتر سمجھی جائیگی۔ جمہور اہل نجد مثلاً تمیم۔ اسد۔ طے۔ ہوازن۔ غطفان۔ اور شیبان وغیرہ نے جہاد فی سبیل اللہ اور خلافت راشدہ میں روم و ایران کے معرکوں میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان سے تاریخ کے صفحات مزین ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ جب بنی تمیم اپنے صدقات لے کر خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو سرور عالم نے فرمایا کہ یہ میری[1] قوم کے صدقات ہیں۔ پھر ان کی فضیلت میں ارشاد کیا کہ یہ لوگ دجال کے لئے میری امت میں سب سے زیادہ سخت ہوں گے۔

عام اہل عرب کے جو فضائل ہیں ان میں بھی اہل نجد شریک ہیں کیونکہ وہ خالص عرب ہیں اور یہ مسلم ہے کہ قبائل و شعوب کے مناقب مقام و مکان کے مثالب سے زیادہ صریح ہیں۔

[1] تمیم قریش کے قدیمی رشتہ دار ہیں۔ زمانہ جاہلیت سے ان دونوں قبائل میں باہم مناکحت ہوتی تھی۔

تعجب تو یہ ہے کہ تم عراق کے ہو کر اہل نجد پر مسیلمہ کذاب کی وجہ سے طعن کرتے ہو حالانکہ عراق وہ جگہ ہے جو شروع سے فتنہ وفساد کا منبع ہے۔ حروری (خارجی) وہیں سے نکلے جہمیہ، شیعہ اور روافض کا وہیں سے ظہور ہوا۔ معتزلہ کا الحاد اور تصوف کی بدعتیں فنا فی الشیخ وفنافی اللہ وغیرہ وہیں سے ایجاد ہوئیں۔ قرمطی اور نصیری وہیں پیدا ہوئے۔ غرض دنیائے اسلام کے اکثر فسادات وآفات کی ابتدا اسی سرزمین میں ہوئی۔ کیا تم نے وہ حدیث نہیں سنی جو طبرانی نے روایت کی ہے کہ "ابلیس نے عراق میں قضائے حاجت کی۔ شام میں پہونچا تو نکالا گیا اور مصر میں جاکر انڈے بچے دئے"۔

اسلام سے پہلے بھی عراق آتش وگاؤ پرستی کا معدن اور گبریت وفسق وفجور کا مخزن رہا ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ اسلام نے اس کو ان نجاستوں سے پاک کردیا تو کیا وہی اسلام نجد کو نہیں پاک کرسکتا؟

تحقیقی جواب یہ ہے کہ حدیث زیر بحث میں نجد سے مراد ہمارا نجد نہیں بلکہ خاص تمہارا عراق ہے۔ چنانچہ بعض طرق سے یہ روایت اس طرح آئی ہے کہ "ھناک الزلازل والفتن واشار الی العراق"۔

اصلیت یہ ہے کہ نجد مرتفع زمین کو کہتے ہیں اور عرب میں دو نجد ہیں ایک یمامہ دوسرا عراق۔ امام لغت خطابی نے لکھا ہے کہ اہل مدینہ کا نجد بادیۂ عراق ہے۔

حافظ ابن حجر نے بھی اس حدیث میں نجد عراق ہی کو قرار دیا ہے اور کبیر میں امام طبرانی نے جس طریق سے اس روایت کو لیا ہے اس میں عراق کی تصریح ہے جس کی شہادت صحیح مسلم سے بھی ملتی ہے جس میں ابن عمر رضؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے عراقیوں سے جب وہ امام حسین کو قتل کرنے کے بعد مچھر مارنے کا مسئلہ پوچھنے آئے تھے کہا کہ مجھے تعجب آتا ہے کہ تم لوگ

چھوٹی چھوٹی باتوں کی تو اس قدر چھان بین کرتے ہو اور بڑے بڑے گناہوں کے بیدھڑک مرتکب ہوتے ہو۔ پھر عراق کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فتنہ اس طرف سے نکلیگا۔

اب تم ان ائمہ حدیث ولغت کی تصریحات نیز واقعات کی روشنی میں دیکھو تو تمہیں صاف معلوم ہو جائیگا کہ روایت بالا میں نجد سے مراد عراق اور صرف عراق ہے۔ وہی مدینہ کا نجد ہے اسی کی بابت سوال تھا۔ اسی کی بابت جواب ہے۔

(۲) کیا بات ہے کہ تم مسلمانوں کو باوجود کلمہ شہادت کے اقرار کے بھی کافر قرار دیتے ہو اور ان سے قتال مباح سمجھتے ہو۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نہ تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں نہ ان کے ساتھ مقاتلہ جائز رکھتے ہیں البتہ ہمارے نزدیک وہ لوگ جو توحید پر ایمان لانے کے باوجود بھی غیر اللہ میں خواہ وہ انبیا یا اولیا ہوں کسی قسم کی الوہیت کی طاقت مانتے ہیں یا معبودیت میں ان کو شریک گردانتے ہیں وہ عملاً مشرک ہیں۔ کیونکہ مشرکین جاہلیت بھی آج کل کے قبر پرستوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے اقراری تھے۔ اور غیر اللہ کی پرستش صرف اس لئے کرتے تھے کہ وہ ان کو اللہ کے قریب تر کر دیں۔ چنانچہ ان کا مقولہ خود قرآن میں منقول ہے۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى	ہم تو ان کو صرف اس لئے پوجتے ہیں کہ یہ اللہ سے ہم کو ملا دیں۔

لہذا جس طرح ان کا اقرار ان کے کام نہ آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا اسی طرح ان گور پرستوں کیلئے جو اہل قبور کو معبود حقیقی کے تقرب کا وسیلہ[1]

[1] قرآن مجید میں جو وسیلہ ڈھونڈھنے کا حکم ہے اس کے معنی کسی مردہ یا مقبور کے وسیلہ (دیکھو صفحہ آئندہ)

سمجھکر پوجتے ہیں اور ان کے خوش رکھنے کے لئے نذریں اور ذبیحے چڑھاتے ہیں کلمۂ توحید کا صرف زبان سے کہدینا کارآمد نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی قطعی مشرک ہیں اور ان کی ساری عبادتیں اکارت کیونکہ شرک سے عمل محبوط ہوجاتے ہیں۔ یہ لوگ اگر توحید کی راہ میں حائل اور مسلمانوں کی اصلاح میں رکاوٹ ڈالیں اور آمادۂ جنگ ہوں توان کے ساتھ قتال جائز ہوگی۔

(۳) تیسرا مسئلہ زیارت قبور اور بناء علی القبور کا تھا۔

اِس کے جواب میں مجیب نے صحیح روایات سے ثابت کیا کہ آنحضرت صلعم نے پہلے قبروں کی زیارت منع کردی تھی۔ پھر اجازت دی اور اس کی غرض صرف یہ بتائی کہ اس سے دنیا سے دل سیر ہوتا ہے اور آخرت یاد آتی ہے۔ نیز زائر کو مُردوں کے لئے دعا کرنا بھی مسنون ہے لیکن خود ان سے دعا مانگنا شرک ہے۔

اِس زمانہ میں گور پرست بالعموم قبروں کی زیارت اسی دوسرے ہی مقصد کے لئے کرتے ہیں۔ وہ صلحاء۔ اولیاء اور بزرگان دین کے مزارات پر جاکر ان سے بیاری سے شفا بلا سے نجات اور ہزاروں قسم کی دعائیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔ اس طرح پر ان کو نہ صرف الوہیت بلکہ امور طبعیہ میں متصرف اور مدبر مان کر ربوبیت میں بھی اللہ تعالیٰ کا شریک گردانتے ہیں۔ ان کے اعمال درحقیقت مشرکین جاہلیت کے اعمال سے کسی طرح کم نہیں اور جیسے وہ لوگ اپنے بتوں کے پاس سالانہ اجتماع کیا کرتے تھے۔ اسی طرح یہ لوگ بھی ان مزارات پر عرسوں کے نام سے سالانہ مجمع کرتے ہیں جنہیں شدرحال کرکے دور دور سے آتے ہیں اور مراسم شرکیہ انجام دیتے ہیں۔ یہ جملہ امور خلاف شرع و ممنوع ہیں اسی طرح قبر پر کوئی قبہ یا کوئی عمارت یا چونے اور گچ سے اس کو پختہ بنانا احادیث و آثار

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کے نہیں ہیں بلکہ عمل صالح کے ہیں چنانچہ ابن تیمیہ وغیرہ نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

واقوال ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی رو سے قطعاً ناجائز ہے۔ اس کا آغاز مسلمانوں میں صدیوں کے بعد ہوا ہے جب ہر قسم کے مفاسد ان میں پیدا ہو چکے تھے لہ

لہ قبر پرستوں کے لئے اس قدر سخت ہونے کے باوجود ہم کو علمار نجد پر تعجب ہے کہ وہ دو عقیدوں میں عوام الناس کے ہم خیال ہیں یعنی حیات نبی وسماع موتی۔ حالانکہ یہ دونوں قرآن کے برخلاف ہیں جہانتک ہم کو انکی کتابوں سے معلوم ہو سکا وہ نبی علیہ السلام کی حیات برزخیہ پر بجز اس قیاس کے کہ جب شہدار کو حیات حاصل ہے تو آپ کو جو ان سے افضل ہیں کیوں نہ حاصل ہوگی اور کوئی دلیل نہیں رکھتے۔ لیکن یہ مسئلہ عقائد کا ہے جس میں قیاس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ قیاس بھی مع الفارق ہے کیونکہ شہدار کو قرآن میں احیار کہا ہے اور آنحضرت کے متعلق خصوصیت کے ساتھ یہ تصریح کردی ہے کہ " اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ "۔ پھر میت کا قیاس احیار پر باطل نہیں تو اور کیا ہے۔

مشرکین کے معبودان غیر اللہ جنیں شہادت قرآنی بعض انبیار بھی ہیں ان کی نسبت سورۃ نحل میں ہے " اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ " قرآن نے ان سے نہ صرف حیات وشعور بلکہ جا بجا علم وبصر وغیرہ دیگر آثار حیات کی بھی نفی کی ہے۔ عدم سماع کے متعلق سورۂ فاطر میں ہے:-

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۔	جن کو اللہ کے ماسوا تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ اگر تم ان کو پکاروگے تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں گے اور جو سنتے بھی تو جواب نہ دیتے۔ اور قیامت کے دن تمہاری شرک کا انکار کردینگے۔

کیا ان نصوص صریحہ کے ہوتے ہوئے جنکے خلاف ایک لفظ بھی قرآن میں نہیں ہے کوئی روایت خواہ اس کے راوی جبریل ومیکائیل ہی کیوں نہ ہوں یا ابن القیم کی کتاب الروح میں چند بزرگوں کے خوابوں کی شہادت قابل سماعت ہو سکتی ہے؟

عہد صحابہ میں جیسا کہ خود بخاری میں مروی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے ابن عمر کو قلیب بدر والی روایت پر ٹوکا تھا اور قرآنی تعلیم کی بنا پر سماع موتی کی مخالفت کی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں اہل نظر کے لئے عالم برزخ کے متعلق مکمل تعلیم موجود ہے۔ افسوس ہے کہ اس مختصر کتاب میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں کسی مناسب موقع پر ہم انشار اللہ بسط (دیکھو صفحہ آئندہ)

ان بحثوں کا سلسلہ اب تک بدستور چلا جاتا ہے اور انہیں سابقہ اعتراضات کی صدائے بازگشت مصر و ہندوستان کے مخالفین سے سنی جاتی ہے۔ چند سال ہوئے جمیل زہادی نے نجدیوں کا رد لکھا۔ لیکن یہ شخص فلسفیانہ وضع کا آدمی ہے اور علوم دینیہ سے بمراحل بعید۔ اس نے خود شریعت مطہرہ پر بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔ تعدد ازدواج کی مخالفت میں مصر کے اخبار المؤید میں مضامین لکھے جس پر اکثر علماء نے اس کے کفر کے فتوے دیئے۔

کچھ زمانہ ہوا عبد القادر اسکندرانی نے اس کی تقلید کی اور اہل نجد کے عقائد کے خلاف ایک رسالہ لکھا جس کا مسکت جواب شیخ ناصر الدین حجازی نے دیا۔ ہندوستان میں ایک صاحب نے خود کتاب التوحید کی تردید لکھ ڈالی۔

لیکن باوجود ان تمام مخالفتوں کے شیخ کی تعلیمات چونکہ خود ان کی ذاتی نہ تھیں بلکہ اللہ اور رسول کی تھیں۔ اس لئے ان کی اشاعت اور مقبولیت برابر بڑھتی گئی اور روز بروز حق کا ظہور و غلبہ ہوتا گیا۔

اہل حدیث

ہندوستان میں اقوام مشرکہ کے اثر سے مسلمانوں کی دینی حالت بالعموم خراب ہو گئی اور توحید کو چھوڑ کر گور پرستی۔ پیر پرستی۔ تعزیہ پرستی وغیرہ کا شرک انہیں رائج ہو گیا۔ یہانتک کہ ایک غیر مسلم شخص یعنی قومیت کا مبصر اعظم ڈاکٹر لیبان اپنی کتاب تمدن ہند میں یہاں کے مسلمانوں کی بابت یہ لکھنے پر مجبور ہوا کہ:۔

وہ اسلام جو اس وقت ہند میں رائج ہے اس کی حالت بھی بالکل ویسی ہی ہو گئی ہے جیسی ہند کے دیگر مذاہب کی۔ اس میں مساوات بھی قائم نہیں رہی جس کی وجہ سے اوائل

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کے ساتھ اسکو لکھینگے اور شہداء کے احیاء اور انبیاء کے اموات ہونیکا راز اچھی طرح کھولدینگے۔

میں اس کو اسقدر کامیابی ہوئی تھی۔

پھر اس کے بعد دوسری جگہ لکھتا ہے۔

ہندوستان کے اسلام کا مطالعہ کرتے وقت ہم کو یہ معلوم ہو جائیگا کہ اسس مذہب کی یہاں آکر کیسی مٹی خراب ہوئی۔

عوام الناس کا تو کیا ذکر یہاں کے علماء بھی منطق، فلسفہ اور تصوف وغیرہ کو مایۂ ناز سمجھتے اور قرآن وحدیث سے کم تعلق رکھتے تھے[1] لیکن جب سے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ملک میں قرآن وحدیث کی اشاعت کی اس وقت سے لوگ کچھ ان کی طرف مائل ہوئے اور شاہ سید احمد بریلوی اور مولینا اسمٰعیل دہلوی کی کوششوں سے اتباع سنت اور توحید خالص کی اشاعت ہوئی اور ایک جماعت ہندوستان میں ایسی پیدا ہو گئی جس نے شرک وبدعت کو مٹانا شروع کیا۔ عوام الناس جو انھیں مروجہ رسموں کو دینداری سمجھتے تھے ان کے مخالف ہو گئے اور طرح طرح کے اتہامات لگا کر بدنام کرنا شروع کیا۔

چونکہ اس زمانہ میں اہل نجد نے غلبہ حاصل کیا تھا اور ترکی ومصر وایران ان کے دشمن ہو رہے تھے نیز انگریز بھی ان کو بدگمانی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس وجہ سے مخالفین نے اس جماعت کو "وہابی[2]" کا لقب دیا۔ تاکہ حکومت کی نگاہوں میں ان کو باغی دکھائے

---

[1] سواحل ہند کے مسلمانوں کا علمی مذاق وسط ہند کے علماء سے ہمیشہ مختلف رہا جسکی وجہ یہ ہے کہ ان کو ممالک عربیہ کے علماء سے ملنے جلنے کا موقع ملتا تھا جو قرآن وحدیث سے آشنا ہوتے تھے اور وسط ہند کے علماء دین بجز فقہ کی چند کتب کے قران وحدیث سے کم سروکار رکھتے تھے جسکے بدبت سے تاریخی ثبوت ہیں۔

[2] سب سے پہلے مولوی فضل رسول بدایونی نے مولینا اسماعیل شہید کی جماعت کو وہابی کا لقب دیا تھا اب ہندوستان کے مختلف حصوں میں اس لفظ کے مختلف معنی سمجھے جاتے ہیں۔ دوآبہ میں وہ شخص وہابی ہے جو قبر پرستی۔ مولود۔ یا رسول اللہ اور یا علی کہنے سے منع کرے۔ دکن میں اس کو وہابی (دیکھو صفحہ آئندہ)

کی کوشش کریں۔ چنانچہ شروع شروع میں اس الزام پر بہت سے لوگوں کو عبور دریائے شور کی سزائیں بھی دیگئیں لیکن آخر حکام معاملہ فہم نے اس کی تہ کو سمجھ لیا۔ نیز سر سید احمد خاں[1] نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ یہ فرقہ نہ کوئی سیاسی جماعت ہے نہ باغیوں کا گروہ ہے بلکہ ان کی دشمنوں نے از راہ تعصب سازش کر کے ان کے اوپر الزامات لگائے ہیں۔ اسوجہ سے گورنمنٹ ہند نے ۱۸۸۳ء میں ان قیدیوں کی معافی کا عام اعلان کر دیا اور پھر کبھی کسی سے اس معاملہ میں تعرض نہ کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس جماعت کا کبھی کوئی علمی یا عملی تعلق اہل نجد کے ساتھ نہیں رہا۔ نہ یہ لوگ وہابی ہیں نہ اس لقب کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں بلکہ کسی بڑے سے بڑے امام کی طرف بھی اپنے کو منسوب کرنا جائز نہیں رکھتے۔ اور اپنا نام اہل حدیث رکھتے ہیں۔

ان میں اور نجدیوں میں اصولی فرق یہ ہے کہ اہل نجد مقلد اور حنبلی مذہب کے پیرو ہیں اور یہ غیر مقلد ہیں اور کسی خاص امام کی تقلید کو حرام سمجھتے ہیں۔ بیشک دونوں جماعتوں میں بلحاظ عقائد و اعمال کے مشابہت ضرور ہے یعنی جسطرح اہل نجد فرائض و سنن کے پابند اور شرک و بدعت کے دشمن ہیں اسی طرح یہ بھی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بھی قرآن و حدیث کا ویسا ہی چرچا ہے جسطرح اہل نجد میں اور ان کا لازمی اثر یہ ہے کہ وہ انسان

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کہتے ہیں جو سفید ہی نہ پہنے۔ پاجامہ ٹخنوں سے اونچا رکھے۔ ڈاڑھی نہ منڈائے اور نماز پڑھے۔ بمبئی میں اس کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو شیخ عبد القادر جیلانی کو سارے جہان کا مالک نہ سمجھے۔ اور مولود کو بدعت کہے۔ پورب میں وہ وہابی ہے جو چاروں مذہبوں میں سے کسی خاص مذہب کی تقلید نہ کرے۔

[1] ڈاکٹر ہنٹر نے اپنی تحقیقات میں جو زیادہ تر دشمنان اہل حدیث کے بیانات پر مبنی تھی لکھا تھا کہ وہابیت نام ہے بغاوت کا۔ اس کے جواب میں سر سید مرحوم نے اپنی تحریر لندن سے ۱۸۷۲ء میں شائع کر کے ان کی پوری تردید کر دی۔

کو مخلص موحد اور متشرع بنا دیتے ہیں۔

اہل حدیث نے اقطاع سندھ میں قرآن و حدیث و توحید کے پھیلانے اور شرک و بدعت کے مٹانے میں بڑی کوششیں کیں۔ ان کے اثر سے اس ملک کے مسلمانوں کی دینی حالت کی بہت کچھ اصلاح ہوئی ہے۔

امرائے نجد

امرار نجد محمد بن سعود کی نسبت سے جو انکا مورث اعلیٰ تھا آل سعود بولے جاتے ہیں اس کا سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن سعود بن مقرن بن مرخان بن ابراہیم بن موسیٰ بن ربیعہ بن مانع۔ مانع شیوخ عنزہ[1] میں سے تھا اور مقام درورع میں جو نواحی قطیف میں ہے سکونت رکھتا تھا۔ حجر الیمامہ کے رئیس ابن درع نے جو اس کے بنی اعمام میں سے تھا اس کو اپنے پاس بلالیا اور دو گانوں ملیبد وغصیبہ جو درعیہ کے پاس ہیں دیدیئے۔ اس کے متصل کے مواضعات پر آل یزید قابض تھے۔ مانع کے بیٹے ربیعہ نے قوت حاصل کرکے اس علاقہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ پھر موسیٰ بن ربیعہ نے اور بھی عروج پایا۔ اور اس نواح کا بڑا رئیس بنگیا اس کے بعد ابراہیم پھر مرخان رئیس ہوا۔ مرخان کے دو بیٹے تھے ربیعہ و مقرن۔ ریاست ربیعہ کی اولاد میں آئی لیکن ابوزید بن ربیعہ سے کسی بات پر عُیَینہ کا رئیس خرفاش ناراض ہوگیا اور اس کو قتل کرکے اس کی جگہ محمد بن سعود بن مقرن کو بطور اپنے عامل کے ریاست کا متولی بنادیا۔

---

[1] عرب کی تاریخ جاننے والوں پر یہ امر روشن ہے کہ عدنان کی دو شاخیں تھیں مضر و ربیعہ۔ مضر کی سکونت حجاز میں تھی اور دار ریاست مکہ تھا اور ربیعہ نجد۔ یمامہ وعراق میں منتشر تھے۔ پھر ربیعہ بھی دو شعبوں میں تقسیم ہوگئے بکلب واسد۔ آخر الذکر کے دو بطن ہیں جدیلہ وعنزہ۔ عنزہ کی ایک فرع بکر بن وائل ہے جس سے یہ تینوں خاندان ہیں جنکی حکومتیں ان علاقوں میں ہیں یعنی آل سعود۔ امرار نجد۔ آل خلیفہ رؤسا بحرین۔ آل صباح شیوخ کویت (کویط)۔

اسی ابن سعود نے ۱۱۵۷ھ میں محمد بن عبدالوہاب کے ہاتھ پر حمایت توحید کی بیعت کی جسکی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسی عظمت اور کامیابی عطا فرمائی کہ سارے نجد پر قابض ہو گیا اور اپنا لقب امیر اختیار کیا۔ اس کی اولاد میں اب تک یہ حکومت چلی آتی ہے۔

اس خاندان کا عہد حکومت تین مختلف ادوار میں تقسیم ہوتا ہے۔

(۱) دور ظہور۔ جو ۱۱۵۹ھ محمد بن سعود کے عہد سے شروع ہو کر ۱۲۳۴ھ تخریب درعیہ تک ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) دورِ ادبار جس میں نجد کی امارت مغلوب رہی۔ یہ ۱۲۳۵ھ سے جب سے ترکی بن عبداللہ نے امارت قائم کی ۱۳۲۰ھ تک ہے۔

(۳) دور اقبال۔ جو موجودہ سلطان کے الریاض فتح کرنے کے بعد ۱۳۲۰ھ سے شروع ہوا ہے۔

(۱) محمد بن سعود

۱۱۵۹ھ میں جب محمد بن عبدالوہاب نے اپنے متبعین کو مخالفین کے ساتھ جو ہر جگہ توحید کی اشاعت میں رکاوٹیں ڈالتے اور موحدوں کو ستاتے تھے مقابلہ کی اجازت دی تو محمد بن سعود معہ اپنے خاندان اور اہل درعیہ کے توحید کی حمایت میں لڑنے کے لئے تیار ہو گیا اور ارد گرد کے مخالف قبائل کو لڑ کر قابو میں کیا۔

دہام | الریاض کے رئیس دہام[۱] بن دواس کو دہابیوں کی روز افزوں ترقی دیکھکر اپنی

[۱] اس کا باپ دواس منفوحہ کا رئیس تھا مگر سخت ظالم۔ اس کے مرتے ہی باشندوں نے اس (دیکھو صفحہ آئندہ)

ریاست کا خطرہ ہو گیا۔ اس وجہ سے اس نے ان کے راستہ میں ہر طرح پر رکاوٹ ڈالنی شروع کی جسکو امر بالمعروف کرتا ہوا دیکھتا اس کا مال و متاع بھی ضبط کر لیتا اور سزا بھی دیتا۔ منفوحہ میں پیروان شیخ کی تعداد زیادہ تھی اس کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ ابن سعود نے اس پر چڑھائی کی۔ متواتر لڑائیوں کے بعد جب وہ جنگ سے تنگ آگیا تو متابعت کا عہد کیا اور لکھا کہ کوئی معلم ریاض میں بھیجدیا جائے تاکہ یہاں کے لوگوں کو تعلیم دے۔ محمدؒ بن عبدالوہاب نے ایک عالم باعمل شیخ محمد بن عیسٰی کو بھیجدیا جنکی تعلیم سے وہاں کے بہت سے لوگ دین حق سے آشنا ہو گئے لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد دہام نے عہد کو توڑ ڈالا اور موحدین کو ستانے لگا جسکی وجہ سے وہاں کے اور نیز منفوحہ کے اہل حق ہجرت کر کے درعیہ میں چلے آئے۔ اس نے یہاں بھی حملے کئے اور بدستور لڑائیاں ہونے لگیں۔

قرامطہ

وہابیوں کی بڑھتی ہوئی شوکت کو دیکھکر عریعر قرمطی رئیس احساء نے بنی خالد اور جبل شمر کے اعراب کو لیکر فوج کشی کی۔ اس کی زبردست قوت کو دیکھکر وشم۔ سدیر اور منیخ وغیرہ قبائل بھی مبارک بن عدوان کی قیادت میں اس کے ساتھ ہو گئے اور بہت سے شیوخ و رؤساء نے بھی جو ابن سعود سے معاہدے کر چکے تھے پیمان توڑ ڈالے اور دشمن سے مل گئے لیکن ابن سعود نے اللہ کی مدد سے اس سارے جتھے کو شکست فاش دی اور سب کے سب ہزیمت اٹھا کر بھاگ گئے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کی اولاد کو نکالدیا جن میں دہام بھی تھا یہ الریاض میں چلا آیا۔ یہاں کا رئیس ابن زید مر گیا تھا اور اس کی اولاد کمسن تھی اس نے رشتہ داری کے تعلق سے ریاست پر قبضہ کر لیا۔ باشندوں نے مخالفت کی اس لئے ابن سعود سے مدد مانگی۔ ابن سعود نے اپنے بھائی مشاری کو بھیجکر ریاست قائم کرا دی۔ جب شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت توحید کی حمایت کی ابن سعود نے بیعت کی تو دہام کو بھی لکھا کہ شرکت کرے لیکن اس نے سرکشی کی۔

اس درمیان میں دہام کے ساتھ جنگ جاری رہی اور پھر وہ ابن سعود کے بہادر بیٹے عبدالعزیز کے حملوں کی تاب نہ لاکر تائب ہوا اور اتباعِ کتاب وسنت کا عہد کیا۔

نجرانی

۱۱۷۸ھ میں عجمان کے قبیلہ نے نجران کے رئیس سید حسن بن ہبۃ اللہ کو وہابیوں کے خلاف بھڑکایا جسکی بنیاد یہ تھی کہ یمن کے چند اسیرانِ جنگ کے ساتھ ابن سعود نے سختی کی تھی۔ وہ قبائل کا ایک انبوہ کثیر لیکر روانہ ہوا۔ عریعر کو بھی لکھا کہ تم میرے ساتھ آکر ملجاؤ۔ عبدالعزیز مقابلہ کے لئے نکلا۔ مقام حائر میں جنگ ہوئی جس میں خلاف معمول وہابیوں نے شکست کھائی۔ اس فتح سے سید حسن کی دھوم مچگئی۔ دُلم وظفیر وغیرہ کے شیوخ اس کے پاس تہنیت دینے کیلئے پہنچے اور کہا کہ اگر تم درعیہ پر قبضہ کرلو تو سارا نجد تمہارا ہے۔ اس نے ارادہ کیا کہ آگے بڑھے لیکن شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ابن سعود نے ازراہ دانشمندی ایک رئیس کے توسط سے اس کے ساتھ صلح کرلی۔ فریقین کی طرف سے اسیران جنگ آزاد کردئے گئے اور نجرانی واپس چلاگیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد عریعر فرمطی پہونچا۔ دہام پھر پیمان شکنی کرکے اس کے ساتھ ملگیا ان سب لوگوں نے درعیہ کا محاصرہ کرلیا اور چاروں طرف سے اس پر توپیں لگادیں لیکن کچھ نہ کرسکے اور مجبوراً بیس روز کے بعد محاصرہ اٹھاکر واپس چلے گئے۔

اس کے بعد عبدالعزیز نے بدعہد قبائل کی گوشمالی کی اور دہام پر سخت حملے کئے جس سے اس کی دھاک بندھ گئی۔

وفات ابن سعود

۱۱۷۹ھ میں محمد ابن سعود نے انتقال کیا۔ نہایت شجاع۔ عالی حوصلہ۔ عقیل وخوش خلق

اور کریم الطبع تھا۔ شیخ کی صحبت کی برکت سے توحید و تقویٰ میں کامل ہو گیا تھا۔ شیخ نے اپنی ایک بیٹی بھی اس کے ساتھ بیاہ دی تھی۔

اس کے خلق و حلم کی وجہ سے لوگ اس کی طرف مائل ہو گئے اور دعوتِ وہابیہ کو بڑا فروغ ہوا۔ درعیہ کی آبادی بھی بہت بڑھ گئی۔ وہاں بڑی بڑی مسجدیں اور عمارتیں تعمیر ہوئیں اس کے انتقال کے بعد شیخ نے عبدالعزیز کے لئے بیعت لی۔

(۲) عبدالعزیز اوّل بن محمد بن سعود

اس نے بھی توحید کی اشاعت سرگرمی کے ساتھ جاری رکھی۔ تمام سرکش قبائل کو تابع کر لیا۔ دہام کو اسقدر عاجز کیا کہ وہ ریاض کو چھوڑ کر ۱۱۸۶ھ میں احسار کی طرف بھاگ گیا لیکن اپنے ساتھ بہت سے باشندوں کو بھی لیتا گیا۔ چنانچہ جب عبدالعزیز وہاں داخل ہوا تو وہ ویرانہ نظر آتا تھا۔

قصیم کے بعض مقامات پر اہل عناد نے فسادات برپا کئے' ان کے مقابلہ کے لئے' اپنے بیٹے سعود کو بھیجا۔ اس نے جا کر ان کو سزا دی۔ مفسدین از راہ نفاق اندر ہی اندر لوگوں میں عداوت کی آگ بھڑکانے لگے۔ اور ایک تاریخ معین کر کے مخفی طور پر ہر جگہ کے لوگوں کو اطلاع دی کہ اس روز اہل توحید کو قتل کر ڈالیں۔

سعدون

ان لوگوں نے عریعر کے بیٹے سعدون کو بھی لکھا کہ تم آکر ہماری مدد کرو۔ جب وہ معینہ تاریخ آئی تو جا بجا رؤسا و علماء موحدین قتل کئے گئے۔ ادھر سعدون بھی آن پہونچا جس کے ساتھ بنی خالد۔ آلِ ظفیر اور اعراب شمر کی جمعیت تھی۔ اس نے بریدہ کا محاصرہ کر لیا مگر وہاں

کے رئیس جمیلان بن حمد کی پامردی سے کچھ نہ کر سکا ۔ اور پانچ مہینہ کے بعد محاصرہ اٹھا کر واپس چلا گیا ۔ اس کے بعد جمیلان نے شہر سے نکلکر بادیہ نشین قبائل بالخصوص آل شماس کو جو نقض عہد کر کے دشمن سے مل گئے تھے اچھی طرح سزا دی ۔

ثوینی

سعدون کے چلے جانے کے بعد ثوینی امیر بصرہ اہل مجرہ و زبیر کی جمعیت کثیر اور بہت سی توپیں جو دولت عثمانیہ نے اس کو دی تھیں لئے ہوئے قصیم کی طرف آیا اور بریدہ کا محاصرہ کیا ۔ مگر اس کو بھی ناکام پلٹنا پڑا ۔ سعود نے اس کا تعاقب کیا ۔ ارض صمان میں پہنچکر مقابلہ ہو گیا ۔ وہاں اس کو ایسی سخت شکست دی کہ وہ تمام مال و متاع چھوڑ کر بھاگا اور سلیمان باشا والی عراق کے پاس پہنچا ۔ اس سے کہا کہ نجدی بڑھتے ہوئے چلے آرہے ہیں تم مجھکو فوج دو تو میں جا کر ان کا استیصال کردوں ۔ ادہر جا بجا سے رؤساء اور علماء وغیرہ نے بھی جو نجدیوں کے دشمن تھے پاشائے مذکور کو عریضے بھیجے کہ اس کام کے لئے ثوینی سے بڑھکر کوئی شخص موزوں نہیں ہے ۔ اس نے ایک لشکر گراں مع ساز و سامان و توپخانے کے اس کے ساتھ کر دیا ۔ اب وہ جوش و خروش کے ساتھ بصرہ ہوتا ہوا نجد کے ارادہ سے چلا ۔ اکثر مخالفین اس کی زبردست قوت دیکھکر ساتھ ہو گئے اور اہل عناد کی ہر طرف سے گردنیں اٹھنے لگیں کہ وہابیوں کا خاتمہ دیکھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک غلام طعیس نامی کو جو ثوینی کا دشمن تھا اس پر مسلط کر دیا جس نے راستہ ہی میں مقام دیرہ بنی خالد میں اچانک اس کو قتل کر ڈالا جس کے بعد یہ سارا انبوہ منتشر ہو گیا ۔

شریف مکہ

حرم کے بعض علماء نے جو نجدی تحریک کے مخالف تھے شریف غالب کو ان کے خلاف

ابھارا۔ اس نے عبدالعزیز کو لکھا کہ تم کسی واقف کار آدمی کو بھیج دو تاکہ ہم اس سے نجدی دعوت کی اصلیت معلوم کریں۔ اس نے علامہ عبدالعزیز بن حصین کو روانہ کیا۔ محمد بن عبدالوہاب نے ان کے ہمراہ شریف مکہ کے نام ایک مکتوب بھیجا جس میں اپنے عقائد مختصراً لکھدئے۔

شریف نے ان تعلیمات کو جب سمجھ لیا تو بولا کہ ان میں تو کوئی بات اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ علامہ عبدالعزیز نے کہا کہ آپ علمار حرم کو میرے سامنے بلائیں تاکہ ان کو جو اعتراض ہو اس کا میں جواب دوں۔ مگر ان لوگوں نے مباحثہ سے گریز کی اور شریف کو یہ سمجھا کر نجدیوں کا دشمن بنا دیا کہ وہ تمہاری امارت باقی نہیں چھوڑینگے۔ اس نے اپنی بھائی شریف عبدالعزیز کے ہمراہ دس ہزار فوج معہ بیس توپوں کے روانہ کی۔ پھر خود بھی ایک فوج لے کر کمک کے لئے آیا لیکن بہت نقصان اٹھا کر پسپا ہوا۔

سلیمان پاشا

ثوینی کے قتل ہو جانے کے بعد والی عراق سلیمان پاشا نے ۱۲۱۳ھ میں خود ایک فوج لیکر چلا۔ راستہ میں احسار کے قلعہ ہفوف کا محاصرہ کیا جس میں صرف سو نجدی سپاہی تھے۔ سلیمان بن ماجد ناصری امیر قلعہ نے عبدالعزیز کو اطلاع دی وہ فوج لیکر چلا۔ پاشا کی جمعیت جس میں زیادہ تر شیعہ تھے اس کی آمد کی خبر سنتے ہی محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئی۔

عراق

اب امیر عبدالعزیز نے بڑھکر بحرین اور پھر سواحل عمان پر قبضہ کر لیا۔ سلطان سعید والی مسقط کا بھی محاصرہ کیا۔ اس نے امان طلب کی اور خراج دینے کا عہد کیا۔ پھر بصرہ کی طرف آیا۔ یہاں قبیلہ خزاعل نے جو شیعہ ہے نجدیوں کی ایک جماعت کو لوٹ لیا۔ وہ اس پر برافروختہ ہو گئے اور ۱۸ ذی حجہ ۱۲۱۶ھ میں کربلا میں داخل ہو کر بہت سے شیعوں کو قتل کیا

اور مشہد حسینؓ کے ذخائر و اموال جو مدتوں سے وہاں کے خزانہ میں جمع تھے لیلیئے۔

اس خبر سے ایران و ترکی میں کہرام مچ گیا فتح علی شاہ قاچار ایران نے ایک لاکھ فوج جمع کی کہ خود ان کو لے کر نجد میں جائے اور وہابیوں کو سزا دے لیکن وہ روسیوں کی جنگ میں مبتلا ہو گیا۔ اسی طرح باب عالی کے حکم سے سلیمان پاشا نے بھی ایک جرار لشکر لیکر چاہا کہ نجد پر حملہ کرے۔ مگر قلتہ گرد کی وجہ سے وہ بھی نہ جا سکا۔ امیر عبد العزیز بلد زبیر اور سماوہ کو فتح کر کے درعیہ واپس آیا۔

حجاز

امارت مکہ کے متعلق غالب اور اس کے بھائی عبد المعین میں نزاع واقع ہو گئی۔ آخر الذکر نے عبد العزیز سے امداد چاہی۔ چونکہ شریف غالب نجدیوں پر متعدد حملے کر چکا تھا اور ان سے سخت عداوت رکھتا تھا اس وجہ سے امیر موصوف نے اپنے بیٹے سعود کی قیادت میں ایک فوج بھیجی۔ اس نے جاکر پہلے طائف پر قبضہ کیا۔ پھر حرم کی طرف بڑھا لیکن چونکہ وہاں جنگ ناجائز ہے اس لئے صرف محاصرہ کئے ہوئے پڑا رہا۔ اسی درمیان میں عبد اللہ پاشا والی شام وہاں سے قافلہ حجاج کو لیکر حج کے لئے آیا۔ مکہ کو محصور دیکھکر واپسی کا ارادہ کیا لیکن سعود نے کہا کہ تم اطمینان کے ساتھ حج کرو۔ مجھے کسی حاجی سے کچھ سروکار نہیں ہے۔ وہ اپنے قافلہ کو لیکر مکہ میں داخل ہوا۔ شریف غالب نے اس سے امداد کی درخواست کی جواب دیا کہ میں قدرت نہیں رکھتا اور حج کر کے واپس چلا گیا۔

پورے تین مہینہ کے بعد ۱۲۱۸ھ میں اہل مکہ نے شہر کو سعود کے حوالہ کیا۔ شریف غالب بھاگ کر جدہ میں گیا۔ اس کے محاصرہ کے لئے ایک دستہ بھیجا مگر وہاں وبار طاعون نمودار ہو گئی جسکی وجہ سے محاصرہ اٹھالیا۔ مکہ میں عبد المعین کو شریف بنا دیا۔

وفات

اسی سال یعنی ۱۲۱۸ھ میں ماہ رجب کی ۸ ا تاریخ کو ایک کرد رافضی عبدالقادر نامی نے عبدالعزیز کو جبکہ وہ درعیہ کی مسجد طریف میں عصر کی نماز پڑھ رہا تھا خنجر مارا۔ لوگوں نے اس کرد کو وہیں پکڑ کر مار ڈالا۔ امیر کو اٹھا کر قصر میں لیگئے۔ مگر اسی وقت اسکی جان نکل گئی۔ عمر ۸۲ سال کی تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ شاہ ایران کربلا کے حملہ۔ مجاوروں کے قتل اور خزانہ کے لوٹ لینے کی وجہ سے امیر نجد کا سخت دشمن ہو گیا تھا اور خود اس کے مقابلہ سے عاجز رہا اسوجہ سے اس نے مخفی طور پر اس کرد کو بھیجا کہ درعیہ میں جا کر اس کو قتل کر دے۔ وہ طالب علم بن کر آیا اور زہد و ورع کا اظہار کیا۔ عبدالعزیز نے بوجہ غیر ملکی ہونے کے اس پر مہربانی کی۔ خود اس کی ضروریات کا کفیل ہوا اور تعلیم کا بندوبست کر دیا۔ اس طرح پر رسوخ حاصل ہو جانے کے بعد عین نماز میں جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں تھا اس نے خنجر سے اس کا شکم چاک کر ڈالا[۱]۔

امیر عبدالعزیز اپنے باپ سے بھی زیادہ شجاع اور بلند ہمت تھا اور علوم دین میں شیخ کے شاگردوں میں ممتاز درجہ رکھتا تھا۔ اسکے بعد اس کا بیٹا سعود جسکو شیخ ولیعہد مقرر کر گئے تھے امیر ہوا۔

(۳) سعود بن عبدالعزیز

سعود نہ صرف شجاعت و شہامت بلکہ علم و عقل و حلم و کرم ہر صفت میں کامل تھا۔ اس کا

[۱] اسی وقت سے امرار نجد کے یہاں یہ دستور ہو گیا ہے کہ جب امیر نماز پڑھتا ہے تو ایک مسلح محافظ اس کے قریب کھڑا رہتا ہے۔

رعب ولیعہدی ہی کے زمانہ سے سارے عرب پر چھایا ہوا تھا۔ جنگ وقتال میں بیباک و سفاک ہونے کے باوجود عدل وحرمت حق کا سخت محافظ اور ادب وخوش خلقی کے ساتھ متانت ووقار کا پتلا اور مردانہ حسن کا پیکر تھا۔ بڑی بڑی مونچھوں کی وجہ سے اہل نجد نے اس کا لقب ابوالشوارب کہا تھا۔

علوم دینیہ اس نے خود شیخ سے حاصل کئے تھے اور امیر ہو جانے کے باوجود بھی انسے استقدر ذوق رکھتا تھا کہ شیخ کے بیٹے عبداللہ کے درس تفسیر میں مع اپنے امراء واولاد کے روزانہ آکر شریک ہوتا تھا۔

فتوحات

امیر ہونے کے ساتھ ہی سعود نے اپنی توجہ یمن کی طرف منعطف کی اور عسیر کے شیخ ابونقطہ کو بیس ہزار فوج کے ساتھ اس طرف روانہ کیا۔ اس نے لحیا۔ حدیدہ اور زبید وغیرہ پر قبضہ کیا۔ صنعاء کا امام حمود بھی آخر میں دعوت نجدیہ میں داخل ہو گیا۔

اسی زمانہ میں وہاں امام محمد بن علی شوکانی[1] تھے۔ امیر سعود نے ان کے اور نیز امام حمود کے پاس توحید کی اشاعت کے لئے متواتر خطوط لکھے۔ ان لوگوں کی کوشش سے دیار یمنیہ میں ہر جگہ قبروں کے قبے گرادئے گئے۔ اب بجز حضرموت اور یمن کے ایک قلیل حصہ کے سارا

[1] علامہ شوکانی دور آخر کے امام مطلق تھے جنپر حفاظ ومحدثین کا خاتمہ ہوگیا۔ ان کے بعد سے ان کے درجہ کا کوئی شخص امت اسلامیہ میں نہیں اٹھا۔ ان کی ولادت ۱۱۷۲ھ میں یمن کے شہر ہجرہ کے متصل ایک موضع شوکان میں ہوئی تھی۔ بڑے بڑے شیوخ سے علوم حاصل کئے۔ بہت سی کتابیں لکھی ہیں تفسیر میں فتح القدیر۔ حدیث میں نیل الاوطار۔ اصول میں ارشاد الفحول۔ تاریخ میں البدر الطالع وغیرہ ان کی بے نظیر اور مقبول عالم تصانیف ہیں۔ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ ان کی مفصل سوانحعمری علامہ محمد بن حسن ذماری نے لکھی ہے جس کا نام التقصار ہے۔

عرب امارت نجد کے قبضہ میں آگیا کیونکہ ادہر سعود نے ینبع سے مدینہ تک قبضہ کرلیا تھا اس کے بعد اپنے غلام حرک کو عراق سے فوجیں دیکر بھیجا اس نے حلب تک قبضہ کرلیا۔

دولت عثمانیہ

وہابیوں کی ان فتوحات سے سلطان محمود خاں نے گھبرا کر علی پاشا والیٔ عراق، عبداللہ پاشا والیٔ شام اور شریف پاشا سپہ سالار جدہ کو حکم دیا کہ عربوں اور کردوں کا لشکر لے کر نجد پر متفقہ حملہ کریں۔ امام مسقط بھی سلطانی امداد اور اپنے قدیم دشمن وہابیہ کے استیصال کے لئے سندرہ کشتیاں فوجوں سے بھری ہوئی لیکر بصرہ کی طرف آیا مگر پاشاؤں کے آنے میں دیر لگی۔ اسوجہ سے امام مذکور واپسی پر مجبور ہوا۔ راستہ میں جوازم کے بحری قزاقوں نے اس کو لوٹ لیا۔

چونکہ یہ لوگ خلیج فارس پر متغلب ہوگئے تھے اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان سے ایک جنگی جہاز بھیجا جس نے ۱۲۲۴ھ میں راس الخیمہ پر گولہ باری کرکے قبضہ کرلیا اور مسقطی بیڑہ کے ساتھ ملکران کی کشتیوں کو تباہ کرڈالا۔

سلطانی فوج جب آئی تو حلہ میں اس نے ایک ماہ تک قیام کیا۔ وہاں کے وہابیوں کے ساتھ خفیف مقابلے ہوئے۔ اسی درمیان میں کردستان میں بغاوت ہوگئی جس کے دبانے کے لئے اس کو واپس جانا پڑا۔

ابن سعود نے ۱۲۲۴ھ میں چھ ہزار فوج لیکر شام پر حملہ کیا اور حوران وغیرہ پر قبضہ کرتا ہوا دمشق کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں کے والی یوسف پاشا نے جس کا لقب گنج دجان تھا وعدہ کیا کہ میں وہابی دعوت قبول کرلوں گا۔ اس لئے وہ اس کو چھوڑکر واپس چلا آیا۔

مصری حملہ

دولت عثمانیہ نے جب کوئی صورت نہ دیکھی تو محمد علی پاشا خدیو مصر کو مامور کیا کہ وہ نجدیوں کی قوت کو توڑ دے۔ اس نے ۱۲۲۶ھ میں اپنے بیٹے طوسون پاشا کی ماتحتی میں بری و بحری فوجیں روانہ کیں۔ مقابلہ کے لئے سعود نے اپنے دونوں بیٹوں عبداللہ و فیصل کو فوج دیکر بھیجا۔ وادی حنیف میں مقابلہ ہوا جہاں مصری فوج نے ہزیمت اٹھائی۔

بحری فوج ۶۸ کشتیوں میں احمد نائرت کی قیادت میں ینبع میں تھی۔ طوسون یہاں آگیا اور مدینہ کی طرف بڑھکر وہاں قابض ہو گیا۔

اب مصری فوج نے مکہ کا رخ کیا۔ وہاں عبداللہ بن سعود کو شکست دی۔ پھر طائف پر چڑھائی کی امیر عثمان مضائفی نے جو سعود کی طرف سے وہاں متعین تھا بھاگنا چاہا۔ مگر گرفتار ہو گیا۔

ان فتوحات کے بعد مصطفےٰ ایک قائد مصری افواج کو لیکر طرابہ[1] میں آیا یہاں فیصل بن سعود سے مقابلہ ہوا۔

نجدیوں نے یہاں جمکر مقابلہ کرنے کی تیاری کی تھی اور انکی عورتیں بھی شریک ہوئی تھیں چنانچہ قبیلہ صبیح کے شیخ کی بیوی فوج کے آگے آگے تھی۔ جنگ میں مصریوں نے سخت شکست کھائی۔ انکی توپیں اور سارا سامان جنگ وہابیوں کے ہاتھ لگا۔

یہ کیفیت دیکھکر محمد علی پاشا خود مصر سے آیا۔ پہلے مکہ میں پہنچکر اس نے غالب پاشا کو جسکی سیاست اس کے نزدیک خودغرضی پر مبنی تھی گرفتار کر کے قسطنطنیہ بھیجدیا جہاں

---

[1] اسی مقام پر آج سے پانچ سال پیشتر موجودہ سلطان نجد اور شریف حسین کے بیٹے امیر عبداللہ[illegible]

سے وہ سلانیک پہونچا دیا گیا اور وہیں ۱۲۳۱ھ میں مرگیا۔ اس کے بعد وہ طرابہ پہونچا اور دہابیوں سے جنگ شروع کی۔ باوجود اس کی زبردست قوت اور زرباشیوں کے بھی فیصل نے اس کو آگے نہ بڑھنے دیا بلکہ لب ساحل قنفذہ پر بھی قابض ہوگیا۔

وفات

یہ لڑائیاں اسی طرح جاری تھیں کہ جمادی الاول ۱۲۲۹ھ میں سعود نے درعیہ میں ۶۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔

اس کے عہد میں عدل وانصاف اور امن وامان بدستور سابق تھا۔ فیاضی غربا پروری اور مہمان نوازی میں کمتر امرا اس کے رتبہ کے ملینگے۔ اس کے ضیافت خانہ میں روزانہ تیس من آٹے اور چاول کا صرفہ تھا۔ علم کی اشاعت کا شیدائی تھا اور علمار کا فدائی اس کا جانشین اُسکا بیٹا عبداللہ ہوا۔

(۴) عبداللہ بن سعود

سعود کے انتقال کے بعد عابدین بک کی قیادت میں ایک مصری فوج زہران (یمن) میں اتاری گئی لیکن شکست کھا گئی۔ اِدہر قریب تھا کہ فیصل طائف کو بھی لیلے لیکن محمد علی پاشا نے خود اس کو وہانسے ہٹایا اور قنفذہ بھی واپس لے لیا۔ قبائل میں سونے اور چاندی کی بارش کی اور شیوخ کو بلاکر سلطنت عثمانیہ کی اطاعت پر آمادہ کیا جسکی وجہ سے اکثر قبائل ٹوٹ گئے بلکہ خود ایک نجدی امیر ابن شدید نامی اپنے ہمراہیوں ہمیت مصریوں سے جاملا اِسوجہ سے نجدیوں کی قوت گھٹ گئی۔

محمد علی کی ہدایت کے مطابق طوسون پاشا ڈہائی ہزار سوار لیکر مدینہ سے نجد کی طرف گیا

اور قصیم کے ایک حصہ پر قبضہ کرلیا۔ اس وقت عبداللہ نے صلح کی درخواست کی۔ فریقین میں قرارداد یہ ہوئی کہ اہل نجد سلطانی سیادت کو تسلیم کرلیں اور مصری خطۂ نجد کو چھوڑ کر چلے جائیں چنانچہ محمد علی اور طوسون دونوں مصر چلے گئے۔

جب نجدی سفیر اس معاہدہ کی تصدیق و تکمیل کے لئے قاہرہ پہونچے تو محمد علی پاشا نے کہا کہ جبتک امارت نجد احسار کو دولت علیہ کے حوالہ نہ کردے اسوقت تک کوئی صلح نہیں ہوسکتی۔ یہ امر چونکہ سابقہ قرارداد کے خلاف تھا اور نجدی کسی طرح اس زرخیز حصہ سے دست بردار نہیں ہونا چاہتے تھے اس لئے انھوں نے اسکی حوالگی سے انکار کیا اور مصریوں سے سخت ناراض ہوئے۔

ابراہیم پاشا

۱۲۳۱ھ میں محمد علی پاشا نے اپنے دوسرے بیٹے ابراہیم[1] پاشا کو ایک زبردست فوج کے ساتھ پھر نجد کی مہم پر روانہ کیا۔ وہ پہلے مدینہ منورہ آیا وہاں سے نجد کی طرف چلا۔ راستہ میں ایک ایک بستی کو ویران اور غارت کرتا جاتا تھا۔ عبداللہ بھی اپنی جمعیت کو لیکر مقابلہ کے لئے نکلا۔ حناکیہ کے قریب مقام ماویہ میں مصری فوج نے اس کو شکست دیدی اور وہ توپوں کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر عنیزہ میں آگیا۔

ابراہیم پاشا کے پاس باوجود اس عظیم الشان قوت کے جس کا اہل نجد مقابلہ نہیں کرسکتے تھے جدید کمک بھی آتی رہتی تھی۔ اس نے پہلے رس کا محاصرہ کیا۔ اسکو فتح کرکے عنیزہ کی طرف بڑھا۔ عبداللہ بریدہ میں چلا آیا۔ عنیزہ والوں نے اطاعت کرلی اب عبداللہ درعیہ میں آکر قلعہ بند ہوگیا۔

[1] طوسون پاشا انتقال کرچکا تھا۔

ابراہیم پاشا نے چھ مہینہ تک اس کا محاصرہ رکھا۔ دوران حصار میں سخت سخت لڑائیاں ہوئیں جنہیں نجدیوں نے بے نظیر شجاعت دکھائی۔ لیکن آخر میں عبداللہ کو امان مانگنی پڑی ابراہیم پاشا نے کہا کہ اس شرط پر کہ میں تمکو سلطان کے پاس بھیجدونگا وہ جو چاہے حکم دے مجبوراً وہ راضی ہوا اور شہر کا دروازہ کھولدیا۔

ہر چند کہ پاشا درعیہ میں صلحاً داخل ہوا تھا لیکن اس نے وہاں کے بہت سے رؤسا وعلماء کو قتل کیا۔ قاضی درعیہ احمد بن رشید کے سارے دانت اکھڑوا ڈالے۔ علامہ علی بن حمد کو توپ سے اڑادیا۔ اس کی ان سختیوں کی وجہ سے لوگ جا بجا بھاگ گئے۔ سعود بن عبداللہ بن محمد بن سعود بھی خوف سے بھاگا مگر مصری سوار اسکو پکڑ لائے اور اسکی گردن ماری

وفات

تیسرے روز عبداللہ اپنے خاندان کے چند افراد اور خزانچی وکاتب کے مصر بھیجدیا گیا۔ وہاں سے محمد علی نے ان کو قسطنطنیہ روانہ کیا اور سلطان کو لکھا کہ ان کا قتل کرنا مناسب نہیں ہے لیکن انہوں نے تشہیر کرانے کے بعد میدان اباصوفیا میں اس کو مع کاتب وخزانچی کے قتل کرادیا۔ یہ واقعہ ۱۲۳۳ھ میں ہوا۔

تخریب درعیہ

ابراہیم پاشا نو مہینہ تک درعیہ میں مقیم رہا۔ مصری فوجیں اطراف ونواح کو تاخت و تاراج کرتی رہیں۔ درعیہ میں جو کچھ انھوں نے چاہا لیا اور جسکو چاہا قتل کیا۔ آل سعود اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی اولاد میں سے جو کوئی بھی مل سکا اسکو پکڑ کر مصر بھیجدیا۔

۱۲۳۴ھ میں محمد علی پاشا کا حکم پہونچا کہ درعیہ کو منہدم کردو۔ مصری فوج نے سارے شہر کو کھود کر پھینکدیا۔ تمام باغ ونخلستان جڑ سے کاٹ ڈالے اور چند روز کے اندر اس

آباد شہر کو ویران بیابان بنا دیا جہاں بجز ایک قلعہ کے جسمیں مصری فوج تھی اور کوئی متنفس باقی نہ رہا۔

درعیہ اپنی عمارات کی خوبی۔ باغوں اور نخلستانوں کی شادابی۔ مساجد مدارس علماء فضلاء کی کثرت اور دارالامارت اور تجارتی منڈی ہونے کی وجہ سے نجد کی تمام آبادیوں پر فوقیت رکھتا تھا۔ وسیع سڑکیں اور دورویہ بڑے بڑے مکانات تھے۔ ایک ایک دکان کا کرایہ چالیس پچاس ریال ماہانہ تک پہنچ گیا تھا اور جب الحدم وغیرہ کی طرف سے کاروان تجارت آتے تھے تو یہ کرایہ دوچند اور سہ چند ہو جاتا تھا۔ جملہ دیار عرب۔ حجاز یمن۔ عمان۔ بحرین وغیرہ اور بادیہ شام و نیز مصر کے تاجر۔ سیاح۔ اہل علم اور طلبہ وغیرہ یہاں آتے جاتے تھے۔

اسباب ہزیمت

نجدی طاقت ایسی معمولی نہ تھی کہ مصری اسطرح اس کو برباد کر سکتے کیونکہ یہی وہابی تھے جو عراق سے شام تک فتح کر چکے تھے مگر سعود کے انتقال سے جسکی ہر طرف دھاک بندھی ہوئی تھی امراء نجد ہمتیں ہار گئے۔ عبداللہ اگرچہ بہادر اور معرکہ میں ثابت قدم تھا لیکن نہ باپ جیسا اولوالعزم تھا نہ اس قدر تدبر و سیاست سے خبردار۔ علاوہ بریں نجدیوں کی جدید امارت قائم ہو رہی تھی۔ ابھی تک انہوں نے کوئی فوجی نظام نہیں قائم کیا تھا اور قوت کا بڑا حصہ صرف مرکز ہی میں تھا۔ جہاں اس کی زیادہ ضرورت نہ تھی وہ بھی جدید اسلحہ اور توپوں سے غیر مسلح۔ صرف فتیلہ دار بندوقیں تھیں۔

ذمہ داری

اس جنگ کی ابتداء جسمیں دونوں طرف سے ہزاروں مسلمان تباہ ہو گئے دولت عثمانیہ

کی طرف سے ہوئی جسکو روز اول سے نجدیوں کی ترقی اپنے پہلو میں خار کی طرح کھٹکتی تھی وجہ یہ تھی کہ ترکوں نے گیارہویں صدی ہجری میں اجود عامری کے خاندان سے احسار کی ریاست چھین لی تھی۔ فاتح پاشا نے وہاں آکر قلعے بنائے اور انمیں ترکی فوجیں رکھدیں ہرچند کہ اس سے نہ ترکوں کو کوئی فائدہ پہنچا نہ عربوں کو بلکہ دونوں فریق مصیبت اور تکلیف میں پڑ گئے۔ لیکن رقبۂ سلطنت کی وسعت کے شوق میں ترکوں نے باوجود عربوں کی دنرات بغاوت اور اپنی عدم انتظامی قابلیت کے بھی وہاں قدم جمائے رکھا۔

محمد بن عبدالوہاب کی بدولت جبوقت نجدیوں نے اپنی اصلاح کی اور آل سعود کا اقتدار بڑھنا شروع ہوا اُس وقت احسار کے قرمطیوں نے ان پر حملے شروع کئے۔ لیکن شکستیں کھاتے رہے۔ اب دولت عثمانیہ نے کھلے بندوں ثوینی کو بھیجا۔ جب وہ بھی ناکام رہا تو سلیمان پاشا خود آکر لڑا اور شکست کھاکر گیا۔

امیر نجد نے بڑھکر احسار سے نام نہاد عثمانی قبضہ کو اٹھاکر اپنا تسلط جمالیا۔

دوسری طرف سے دولت عثمانیہ کے نائب شریف مکہ نے جنگ چھیڑی۔ نجدیوں نے اس کو بھی شکست دیکر حجاز پر قبضہ کر لیا۔ سلطان نے عراق و شام دونوں جگہوں کے والیوں کو متفقہ حملہ کا حکم دیا لیکن اسمیں رکاوٹ پڑ گئی اور سعود نے شام تک اپنا قبضہ بڑھالیا۔ دولت عثمانیہ ان وجوہات سے نجدیوں کی سخت دشمن ہوگئی۔ مگر ان حدود میں اس کے پاس ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس وجہ سے اُس نے محمد علی پاشا والی مصر کو جس نے اپنی فوجی قوت بہت بڑھالی تھی اور اُس کے بل پر باب عالی سے خودمختاری کی سند حاصل کر چکا تھا حرمین شریفین کی بھی ولایت کا فرمان لکھکر نجدیوں کے استیصال کے لئے مامور کیا۔

ہواخواہان دولت نے وہابیہ کے خلاف طرح طرح کے اتہامات تراشے اور اپنے
ہم خیال علماء سے ان کے خلاف فتاوے اور رسائل شائع کرائے۔

الزامات۔

وہابیوں کے فرد قرار داد جرم کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) وہابی اپنے سوا دوسرے مسلمانوں کو کافر قرار دیکر انسے مقاتلہ جائز سمجھتے ہیں اور جبراً لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرتے ہیں۔

(۲) انہوں نے کعبہ کی بیحرمتی کی اور وہانکے مال ومتاع کو ضبط کرلیا۔

(۳) مشہد حسینؓ کو ویران کرڈالا اور خزانے لوٹ لئے۔

(۴) مزار نبوی کے ذخائر کو جو ساٹھ شتر بار تھے لاد کر درعیہ میں لیگئے۔ قبۂ نبوی کو بھی توڑنا چاہتے تھے لیکن کچھ سوچکر رُک گئے۔

(۵) اہل مدینہ پر جزیہ لگایا۔

(۶) بجز اپنی جماعت کے کسی کو حرم میں داخل نہیں ہونے دیتے۔

(۷) عثمانیوں کو مشرک کہتے ہیں اور حج میں شریک ہونے سے روکتے ہیں۔

یہ وہ الزامات ہیں جو وہابیوں پر لگائے گئے اور مشرق سے مغرب تک ان کی اشاعت کی گئی تاکہ عثمانی یا مصری جو جہاد ان کے خلاف کرنا چاہتے ہیں اُس میں عالم اسلامی ان کو معذور سمجھے[۱] چنانچہ مصریوں نے جب حملہ کیا ہے تو وہ جاہل بدوؤں سے

---

[۱] اس زمانہ کے اکثر سطحی مورخین نے انھیں باتوں کو جو عوام میں خاص اغراض کے لئے وہابیوں کو بدنام کرنے کی واسطے مشہور کی گئی تھیں اپنی تاریخوں میں مندرج کردیا بالخصوص عیسائی مورخوں نے جو اس دینی تحریک کے مغز سے ناآشنا تھے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ نواب صدیق حسن خانصاحب مرحوم بھوپالی نے انہیں عیسائیوں کی کتابوں آثار الادہار و مراۃ الوضیہ فی الکرۃ الارضیہ وغیرہ سے وہابیوں کے حالات زیادہ تر (دیکھو صفحہ آئندہ)

یہی کہتے تھے کہ ہم وہابیوں کو قتل کرنے آئے ہیں جو مسلمانوں کو کافر اور اولیار کو برا کہتے ہیں۔
لیکن ان میں سے ایک الزام بھی صحیح نہیں بجز اس کے کہ انہوں نے کربلا اور مدینہ
کے ذخائر اور اس مدت کی بیکار پڑی ہوئی دولت کو لیکر علمار کے فتووں کے مطابق
مصارف خیر میں صرف کر دیا تھا۔

مصریوں کی قساوت

اہل نجد کے ساتھ جو برتاؤ مصریوں نے کیا وہ کوئی مسلمان کفار کے ساتھ بھی مشکل سے
کریگا۔ نجد کی جس آبادی میں ان کا گذر ہوا اس میں نہ کسی بچہ پر انہوں نے ترس کھایا
نہ کسی بوڑھے پر رحم کیا نہ کسی شیخ یا عالم کا وقار قائم رکھا۔ بریدہ۔ عنیزہ اور خاصکر ضرما
میں بہت سے غیر محارب لوگوں کو ظلماً قتل کیا اور گھروں میں گھس کے ان کو
مارا یہانتک کہ عوام میں یہ مشہور ہے کہ وہابیوں کے کئی شتر بار کان کٹوا کر مصر بھیجے۔
آخر میں ان کے جنون انتقام کا سب سے بڑا مظاہرہ یہ تھا کہ انہوں نے ایک خالص
اسلامی شہر درعیہ کو جو اس عہد میں عرب کا سب سے آباد مقام تھا ویران کر ڈالا۔ یہ سارا
کرشمہ تھا بے خبری کا۔ اللہ سے بے خبری۔ دین سے بے خبری۔ اپنے بھائی مسلمانوں
سے بے خبری۔ بلکہ خود اپنے نفس سے بے خبری۔

(۵) ترکی بن عبداللہ

ابراہیم پاشا کے چلے جانے کے بعد محمد بن مشاری آل معمر رئیس عُیَینہ نے جو امیر عبدالعزیز

(بقیہ صفحہ گذشتہ) لیکر اپنی کتابوں تاج المکلل اور ترجمان وہابیہ میں درج کئے ہیں اور مطلق
تحقیق سے کام نہیں لیا ہے۔

کا بھانجا تھا امارت نجد پر قبضہ کر لیا اسی دوران میں مشاری بن سعود مصریوں کی قید سے بھاگ کر آیا۔ اس نے نجدی قبائل کی امداد سے محمد کو نکالکر اپنی سلطنت قائم کی اور الریاض کو دارالحکومت قرار دیا۔

سنہ ۱۲۳۶ھ میں مصریوں نے حسین بک کی ماتحتی میں ایک فوج بھیجی اس نے مشاری کو پکڑ کر قاہرہ روانہ کیا مگر وہ راستہ ہی میں مر گیا۔

مصری فوج جو درعیہ میں تھی اس کا قائد اسماعیل پاشا تھا۔ خدیو نے اس کو بلا کر اسکی جگہ خالد پاشا کو مقرر کر دیا۔ اس نے اہل نجد پر سختیاں شروع کیں جسکی وجہ سے نجدی امراء نے ترکی بن عبداللہ کی قیادت میں جو ابراہیم پاشا کے حملہ کے وقت بھاگ کر بصرہ چلا گیا تھا بغاوت کر دی اور تمام مصری فوجوں کو ذبح کر ڈالا جب یہ خبر مصر میں پہونچی تو خدیو نے حسین پاشا کی قیادت میں ایک عظیم الشان لشکر بھیجا۔ ترکی اپنی فوجوں کو لئے ہوئے بیابان میں نکل گیا حسین پاشا نے تعاقب کیا مگر راہبروں کی خیانت سے غلط راستوں میں پڑ گیا جن میں فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا۔ صرف وہ خود ایک مختصر سی جماعت کیساتھ اپنی جان بچا کر واپس جا سکا۔

محمد علی پاشا نے وہابیوں کی جنگ سے تنگ آکر آخر انکو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ اب ترکی نے اپنی مستقل امارت قائم کر لی اور احسار کو بھی فتح کر لیا۔

سنہ ۱۲۴۹ھ میں مشاری بن عبدالرحمن نے ترکی کو قتل کر کے امارت پر قبضہ کر لیا فیصل بن ترکی نے اس پر چڑھائی کی۔ وہ شہر بند ہو گیا۔ ایک وہابی امیر عبداللہ[1] نے قصر میں

---

[1] عبداللہ بن علی الرشید امراء حائل کا مورث اعلیٰ ہے۔ یہ قبیلہ شمر کا رئیس تھا سنہ ۱۲۵۰ھ میں اس نے حائل کے حاکم شیخ صالح کو جو آل سعود کی طرف سے متعین تھا قتل کر ڈالا اور خود وہاں کا امیر بن (دیکھو صفحہ آئندہ)

گھسکر مشاری کو قتل اور فیصل کو امارت پر متمکن کر دیا۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بیٹھا۔ چونکہ مشاری کی جنگ میں اس نے فیصل کا اعتماد حاصل کر لیا تھا اس وجہ سے اُس نے کچھ نہیں کہا اور اسی کو وہاں کا امیر کر دیا۔ اس وقت سے اس خاندان نے اپنی حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنی شروع کیں۔ عبداللہ کے بیٹے طلال نے جو اس کا جانشین ہوا جوف۔ تیمار۔ خیبر اور قصیم کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے زمانہ میں آل سعود کی ماتحتی برائے نام رہ گئی۔ ۱۲۸۳ھ میں طلال کے انتقال کے بعد اس کا بھائی متعب امیر ہوا۔ مگر اس کو ۱۲۸۵ھ میں اس کے دونوں بھتیجوں بندر اور بدر نے قتل کر ڈالا۔ ۱۲۸۶ھ میں محمد بن عبداللہ الرشید نے بندر اور اس کے تمام بھائیوں کو ذبح کر کے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لیلی۔ یہ شخص اس خاندان کا سب سے بڑا امیر ہوا۔ اس نے عراق سے مشارف شام تک اور نواحی مدینہ یمامہ۔ نجد اور یمن پر بھی قبضہ کر لیا اور الریاض کو فتح کر کے آل سعود کو جبکا ماتحت تھا خود اپنا ماتحت بنا لیا۔ دولت عثمانیہ نے آل سعود کی عداوت کی وجہ سے اس کی حمایت کی اور دراصل اسکی مدد سے آل رشید نے ساری کامیابیاں حاصل کیں۔ محمد بن عبداللہ سلطان عبدالحمید کے لئے سالانہ بہت سے عربی گھوڑے تحفہ میں بھیجتا تھا۔ ان کے دربار میں امراء عرب میں سے کسی کو وہ منزلت حاصل نہ تھی جو امیر مذکور کو تھی۔

۱۲۱۵ھ میں جب محمد مذکور نے وفات پائی تو اس کا بھتیجا عبدالعزیز بن متعب امیر ہوا۔ یہ نہایت جنگجو شخص تھا۔ موجودہ سلطان نجد نے ۱۳۲۰ھ میں الریاض پر قبضہ کر کے اس کو وہاں سے بیدخل کیا اور پھر اس کے ساتھ متعدد لڑائیاں کیں یہانتک کہ ۱۳۲۴ھ میں واقعہ روض المنہا میں وہ مارا گیا۔ اسکے قتل سے امارت حائل اور آل رشید کی عظمت جاتی رہی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا متعب امیر ہوا لیکن سلطان بن حمود بن عبید بن علی الرشید نے اسی سال ذیقعدہ کے مہینہ میں اس کو قتل کر کے امارت پر قبضہ کر لیا۔ تھوڑے دن کے بعد امراء نے اس کو بھگا دیا اور سعود بن حمید کو امیر بنایا۔ اس کو حمید بن سبہان نے قتل کر ڈالا اور امارت پر قابض ہو گیا۔ بنو سبہان سعود بن عبدالعزیز کو جو مدینہ میں مخفی تھا لائے اور جب وہ بالغ ہوا تو حمود کی جگہ ۱۳۳۶ھ میں اس کو امارت کی کرسی پر بٹھایا۔ اسی کے زمانہ میں جنگ عامہ شروع ہوئی۔ دولت علیہ برابر اپنا ایک معتمد اس کے پاس رکھتی تھی تاکہ اجنبی وسائس کے پنجہ میں وہ گرفتار نہ ہو جائے۔ کیونکہ بنو سبہان در پردہ انگریزوں کی طرف مائل تھے لیکن سعود باوجود ان کی کوششوں کے بھی دولت علیہ کا وفادار رہا اور غدار شریف حسین کے ساتھ جنگ کی۔ (دیکھو صفحہ آئندہ)

(۱۶) فیصل بن ترکی

آل سعود کی اس باہمی نزاع میں حکومت مصریہ نے موقع پاکر خورشید پاشا کو فوج دیکر بھیجا۔ اُس نے پہلے وادی حنیفہ کو غارت کیا۔ پھر الریاض کی طرف بڑھا فیصل نے اپنے اندر مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی اسوجہ سے شام کی طرف نکل گیا وہاں علمار حنابلہ کی جماعت میں شامل ہوگیا اور امارت کا خیال دل سے نکال دیا۔

ادہر مصریوں نے خالد بن سعود کو امیر بنا دیا لیکن جب خورشید پاشا واپس چلا گیا تو عبداللہ بن ثنیان نے اُس سے امارت چھین لی وہ بھاگ کر جدہ چلا گیا۔ امرار نجد نے پھر فیصل کو بلایا۔ اس نے پہونچکر الریاض پر قبضہ کیا۔ خورشید پاشا دوبارہ آیا۔ ۲۵ رمضان ۱۲۵۴ھ میں فیصل کو پکڑ کر مصر بھیجدیا اور عبداللہ بن ثنیان کو امارت پر متمکن کیا۔

پانچ سال تک قلعہ سویس میں نظر بند رہنے کے بعد عباس پاشا خدیو مصر کے اوائل عہد میں فیصل پھر نجد میں آیا۔ خورشید پاشا کو چونکہ جدید مصری حکومت پر اعتماد نہ تھا اس لئے وہ قصیم کو چھوڑ کر واپس گیا۔ فیصل نے الریاض پر قبضہ کیا اور عبداللہ کو قید کر دیا۔

اب فیصل نے ترکوں اور مصریوں کے ساتھ اپنے تعلقات دوستانہ قائم کئے۔ اُسی کے زمانہ میں ۱۸۶۲ء میں پلگراف وفد لیکر نجد میں گیا تھا اور اس سے درخواست کی تھی کہ کسی یورپین سلطنت سے عہدنامہ کرلے تاکہ دولت عثمانیہ کی دست برد سے محفوظ ہوجائے اسنے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) جب ترکی سلطنت کا سایہ عرب سے اٹھ گیا اسوقت بنو سبہان نے سعود کو قتل کر ڈالا اس کے بعد اس امارت کا خاتمہ ہوگیا۔ اب چوتھا سال ہے کہ سلطان نجد عبدالعزیز نے حائل کو پھر اپنے مقبوضات میں شامل کرلیا ہے۔

کہا کہ ہر چند کہ سلطان میرا مخالف ہے لیکن میں اس کے مقابلہ میں کسی اجنبی سلطنت کی حمایت حاصل کرنا جائز نہیں سمجھتا۔

جب سعود بن ترکی نے فیصل سے بغاوت کی اور امراء نجد دونوں طرف منقسم ہو گئے تو آل سعود کی قوت بہت مضمحل ہو گئی۔ اور آل رشید امراء حائل نے موقع پا کر اپنی امارت کو مضبوط اور وسیع کر لیا۔

۱۳ رجب سنہ ۱۲۸۲ھ میں فیصل نے وفات پائی اس کی جگہ اسکا بیٹا عبد اللہ امیر ہوا۔

(۷) عبد اللہ بن فیصل

عبد اللہ کو اس کے بھائیوں نے الریاض سے نکالدیا وہ عسیر میں چلا گیا اور مدحت پاشا سے جو اُس زمانہ میں والی عراق تھے مدد چاہی۔

دولت علیہ کے لئے اپنی متاع از دست رفتہ یعنی احساء کے واپس لینے کے لئے اس سے بہتر کونسا موقع مل سکتا تھا چنانچہ والی موصوف نے اسکی امداد کے بہانے سے سنہ ۱۲۸۷ ہجری میں ایک لشکر بھیجدیا جس نے پہلے قطیف پھر احساء پر قبضہ کر لیا۔ سعود نے اُس کو واپس لینے کی کوشش کی لیکن ناکامیاب رہا۔

سنہ ۱۲۹۱ ہجری میں جب سعود مر گیا تو پھر عبد اللہ بن فیصل آ کر امیر ہوا لیکن سعود کے بیٹے محمد نے بغاوت کی اور آخر کار اس کو نکالکر خود امارت پر متمکن ہو گیا۔ مگر اسکو بہت جلد امراء نے نکالدیا اور اس کے چچا عبد الرحمن بن فیصل کو امیر بنایا۔

اس زمانہ میں امراء حائل بہت قوت پکڑ گئے تھے۔ انہوں نے عبد الرحمن کو الریاض سے نکال دیا اور خود قابض ہو گئے۔ عبد الرحمن اپنے بیٹے عبد العزیز (موجودہ سلطان) کو

لے کر کویت میں شیخ مبارک کے پاس چلے آئے

سنہ ۱۲۹۵ ہجری میں عبداللہ بن فیصل نے سہ بارہ الریاض کی امارت حاصل کر لی لیکن باوجود سعی بلیغ کے امارت حائل کا ماتحت ہی رہا۔

سنہ ۱۳۰۵ھ میں اس نے وفات پائی۔ اس کے بعد آل رشید نے محمد بن فیصل کو برائے نام الریاض میں امیر بنا دیا۔ حکومت ان کے عامل کے ہاتھ میں تھی۔

(۸) امام عبدالعزیز ثانی بن عبدالرحمٰن بن فیصل

موجودہ سلطان نجد

عبدالرحمٰن جسوقت کویت میں آئے تھے اس وقت ان کے بیٹے سلطان عبدالعزیز کی عمر ۹ سال سے زائد نہ تھی وہاں یہ دونوں تقریباً پندرہ سال تک رہے۔ امرا حائل جنہوں نے انکو الریاض سے نکالدیا تھا ان کے حملے کویت پر بھی ہوتے رہتے تھے اور شیخ مبارک بن صباح ان کی مدافعت کیا کرتا تھا جسمیں یہ لوگ بھی شریک ہوتے تھے۔

الریاض

اگرچہ عبدالرحمٰن امارت[۵] کا خیال چھوڑ چکے تھے لیکن ان کے نوجوان بیٹے کو اپنی ضائع شدہ حق کا احساس تھا چنانچہ یہ عالی حوصلہ امیر سنہ ۱۳۲۰ھ میں جبکہ اس کی عمر مشکل سے پچیس سال ہوگی صرف پندرہ آدمی اپنے ہمراہ لئے ہوئے کویت سے نجد گیا۔ وہاں رات کو الریاض میں داخل ہوکر صبح کو آل رشید کے عامل کو قتل کر ڈالا اور اپنی امارت کا اعلان کر دیا اس شجاعانہ کارنامہ پر تمام عرب انگشت بدنداں رہگیا۔

---

[۵] امیر عبدالرحمٰن اپنے بیٹے کے ساتھ الریاض میں رہتے ہیں۔

حائل

آل رشید نے اِس کے بعد بہت کوشش کی کہ الریاض کو واپس لیلیں لیکن کامیاب نہو سکے بلکہ متواتر لڑائیوں کے بعد آخر میں وہ بالکل فنا ہو گئے۔ عبدالعزیز نے حائل پر بھی قبضہ کر لیا اور اپنا لقب سلطان رکھا ورنہ ابتک امرار نجد امیر یا امام بولے جاتے تھے۔

احسار

اس وقت سے برابر اپنی قوت اور شوکت بڑھاتا رہا یہانتک کہ جنگ بلقان کے زمانہ میں ترکوں سے اپنی قدیمی ملکیت احسار و قطیف کو بھی واپس لے لیا۔

دولت علیہ اس فکر میں تھی کہ بلقانی ریاستوں سے مصالحت ہو جانے کے بعد اس حصہ کو پھر اپنے مقبوضات میں شامل کرے خواہ اسمیں خونریزی ہی کیوں نہ ہو لیکن انور پاشا عربی امرار کو اپنا دشمن رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اسوجہ سے ترکی حکومت کو سلطان عبدالعزیز کا قبضہ تسلیم کرنا پڑا۔

جنگ عامہ جب شروع ہوئی تو ترکوں نے سلطان نجد کو لکھا کہ وہ بھی ساتھ دے اور لڑے لیکن وہ شریک نہ ہو سکا کیونکہ اس کو انگریزوں کی طرف سے جو عراق میں داخل ہو چکے تھے خود اپنے ملک کا خطرہ تھا۔ مگر اس کے ساتھ اس کی طرف سے کوئی ایسی کارروائی بھی عمل میں نہیں آئی جو دولت عثمانیہ کے مفاد کے خلاف ہو۔

شریف حسین

شریف مکہ حسین اپنے پیشرو شریف غالب کی طرح نجدیوں کا شروع سے دشمن تھا اس لئے انکی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھکر سنہ ۱۳۲۸ھ میں لشکرکشی بھی کی لیکن شکست کھاکر واپس آیا۔ اس کے بعد سے سلسلہ مخاصمت فریقین میں برابر جاری رہا جب دولت علیہ

سے غداری کرکے شریف مذکور نے ترکوں کو حجاز سے مار کر نکالدیا اور اپنی مستقل بادشاہت کا اعلان کیا تو نجد کی طرف سے اس کی مخالفت ہوئی اس نے اہل نجد کو حج میں آنیسے روک دیا۔

اب تاریخ نے پھر اپنا پہلا ورق الٹا اور پورے سوا سو سال کے بعد ۱۳۴۲ھ میں امام عبدالعزیز اول کی طرح امام عبدالعزیز ثانی نے بھی پہلے طائف اور پھر مکہ کو فتح کیا۔ شریف مذکور ۶ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں حکومت حجاز سے دست بردار ہو کر بھاگ گیا اس کا بیٹا علی جدہ میں اجنبی حکومت کے سہارے سے مقابلہ کے لئے جا رہا لیکن آخر میں مجبور ہو وہاں سے چلا آیا اور جدہ اور اس کے بعد مدینہ سب پر سلطان عبدالعزیز کا قبضہ ہو گیا ماہ گذشتہ یعنی جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ میں سلطان کے ملک الحجاز ہونے کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ جو لوگ اس ملوکیت کے اعلان سے سلطان پر معترض ہیں ان کو دو باتیں پہلے سوچ لینی چاہئیں۔

(۱) اہل عرب کی تفریق مختلف امارتوں میں خود ان کے اور نیز عالم اسلامی کے لئے مضر ہے۔ اس لئے سارے عرب کا ایک ہی امیر ہونا ضروری ہے۔

(۲) عربوں میں اس وقت کسی جمہوری حکومت کی صلاحیت نہیں ہے اور نہ ان کے مختلف امرائ کا خود مختاری کو چھوڑ کر ایک مرکز پر کسی مؤتمر کے ذریعہ سے اجتماع ممکن ہے، ایسی حالت میں وحدت امت عربیہ کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ ابن سعود جو سب سے اصلح اور قوی تر ہے تمام عرب کو ایک جھنڈے کے نیچے لائے اس کے بعد خاندانی اور شخصی حکومت کو جمہوریت میں تبدیل کر دینا خود عرب کے لئے آسان ہوگا۔

ابن ریحانی نے اپنی کتاب کے خاتمہ پر لکھا ہے[۱]۔

اس وقت بلاد عربیہ میں چار بڑے امرار ہیں جن کے تعلقات کی کیفیت رعایا کے ساتھ حسب ذیل ہے:۔

شریف حسین کی رعایا مطیع ہے مگر اس سے خوف زدہ۔

سلطان ابن سعود کی رعایا مطیع ہے اور اس سے محبت رکھتی ہے۔

امام یحییٰ کی رعایا مطیع ہے مگر نہ ڈرتی ہے نہ محبت رکھتی ہے۔

ملک فیصل کی رعایا نہ ڈرتی ہے نہ محبت رکھتی ہے نہ مطیع ہے مگر جبراً۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امراء عرب میں سب سے بہتر حکومت ابن سعود ہی کی ہے۔

تمدن جدید

سلطان اگرچہ خود نجد کے ممتاز علمار حدیث میں سے ہے لیکن اس میں جمود اور تعصب نہیں ہے۔ تمدن جدید کی نافع چیزوں کو وہ خوب سمجھتا ہے اور پسند کرتا ہے چنانچہ اس نے الریاض میں ڈاکٹر اور انجنیر بھی بلا کر رکھے ہیں۔ موٹریں بھی منگائی ہیں اور اپنے بیٹوں کو مصر میں تعلیم کے لئے بھیجا ہے کہ وہ دنیائے جدید سے آشنا ہو جائیں ان باتوں پر متعصب علماء جو اعتراض کرتے ہیں ان کو ہنس کر ٹال دیتا ہے۔ اور ان کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ امید ہے کہ وہ عرب جیسی ذہین اور کارکن قوم میں مفید صنائع کو رواج دلیکیگا۔

تبلیغ

دعوت نجدیہ کا عنصر توحید کی تبلیغ واشاعت ہے۔ سلطان نے اس کام کیلئے تجر

[۱] یہ کتاب اکتوبر ۱۹۲۴ء سے پہلے لکھی گئی ہے جبکہ شریف حسین برسر حکومت تھا۔